ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:66 ماہ/جون 2018

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE SW170PW LONDON
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
http://qandeel-e-adab.com, ranarazzaq52@gmail.com

A Magazine of Urdu Literature and Poetry from London

شہادت بیت المبارک جماعت احمدیہ سیالکوٹ مورخہ 24 مئی 2018ء

ہمارے گھروں کو جلا دو ہمارے جسموں کو جلا دو ہمارے اموال لوٹ لو، ہماری عورتوں، بچوں، مردوں کو فنا کر دو مگر خدا کی قسم محمد ﷺ کے خدا کی قسم اور کائنات کے خدا کی قسم کہ احمدی کے دل میں جو محمد مصطفی ﷺ اور اللہ کی محبت کا برتھ مارک ہے اس کو نہیں مٹا سکتے تم۔ تمہیں طاقت کیا ہے، استطاعت کیا ہے کہ ان دلوں تک پہنچ سکو۔ تمہاری آگیں جسموں تک جا کر ختم ہو جائیں گی۔ ہاں دلوں تک پہنچنے والی ایک آگ ہے جو خدا جلاتا ہے وہ جب فیصلہ کرے گا تمہارے دلوں پر وہ برسائی جائے گی تو کوئی دنیا کی طاقت تمہیں اس آگ کے اثر سے بچا نہیں سکتی۔'' (حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

RASHID & RASHID

Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان

وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience

www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 0777422062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

SARALAND ESTATE

Mohammad S Rana

Managing Director

(M) 07958 198 799

saraland_estate@yahoo.co.uk

Tooting

842 Garratt Lane

TootingLondon

SW17 ONA

T 020 8767 6772

F 05602 093 339

Special Flights

Best Choice for worldwide Flights

IATA
we are working under
ATA and ATOL bonded agent

Unit 47, Broadway Market

London SW17 ORJ

Tel: 020 8672 2693

E-Mail: specialflights@btinteternet.com

Wimbledon Solicitors

AKEEL MIYAN IMMIGRATION CONSULTANT

T: 020 8543 3302 F: 020 8543 3303

E: akeel@wimbledonsolicitors.net

w: www.wimbledonsolicitors.net

191 Merton Road, South Wimbledon, London, SW19 1EE

271 Balham High Road, Tooting Bec, London SW17 7BD

24 HOUR HELPLINE: **0788 303 1585 / 079 5844 0790**

We specialist in immigration, Family Law and Child Care matters and public funded service (Legal Aid). We have qualify staff who are able to converse in Hindi, Urdu, Pashto, Gujarati, Telugu, and Tamil. Injured in an Accident and not your fault? Contact our specialist Personal Injury Department. We deal with RTA, MIB and CICA claims.

* **No-WIN-No FEE** * **100% Compensation** (no deductions)

* **Quick settlement** * **Home Visits.**

Call us on **020 8767 0800**

SHARIF

HALAL MEAT & GROCERIES
FRESH FRUITS & VEGETABLES

Munir Sheikh

02088719265, 07426546212
07450161511

189 MERTON ROAD SW18 5EF

LONDON

GOOD FELLOWS SOLICITORS

12 SELKIRK ROAD, SW17 OES

SHAHID LATIF

DIRECTOR

SL@GOODFELLOWSSOLICITORS.CO.UK

CONTACT

07790945945

02087676800

FAX: 02087676802

BSC ELECTRICAL ENGINEERS

Part P Approved Contractor
Certification
Rewire PAT Testing
Replacement Fuse Board
Fault Detection

Contact:

SAMIULLAH

07432715797

E-mail:

ssami19693@hotmail.com

Web: bscelectricalengineers.co.uk

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

مجلس ادارت

بانی رُکن

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یوکے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد۔ طارق مرزا آسٹریلیا۔ عبدالقدیر کوکب۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تا کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبد الرزاق خان

فہرست مضامین

سیالکوٹ شہر مسلمان ہو گیا	طاہر احمد بھٹی	6
غزلیات: ناصرہ رفیق، عبیداللہ علیم، مضطر عارفی، رشید قیصرانی، طفیل عامر سندھو، پروفیسر عبدالقدیر کوکب، چوہدری مسعود احمد، آدم چغتائی برمنگھم، قتیل شفائی، اطہر حفیظ فراز، اندر جیت سنگھ جیتؔ، اسحاق ساجد، سلیم انصاری، مبارک صدیقی، منور احمد کنڈے۔		8 to 10
میر محمد تقی میرؔ کا ترکِ اسلام اور نام نہاد خدائی فوجدار	طارق احمد مرزا	11
چھیدا پہلوان	امجد مرزا امجد	14
لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز	ادارہ	17
ڈیرہ غازیخان میں یادگار محفل مشاعرہ	سلمٰی شاہین	19
افواج سے متعلق سیاستدانوں کا مسئلہ	ایاز میر	21
آرتھر آشے	وقار عظیم	22
کٹہرا۔ ماں کے پاؤں	خالد مسعود	25
غزل	نور مستی خیل	26
ہارون رشیدؒ کا ایک بیٹا	عاصی صحرائی	27
شذرات قابل فکر موضوعات پر دانشوروں کے اقتباسات	مرزا خلیل احمد قمر	29
سچے اور کھرے مسلمان	جاوید چوہدری	30
یقین باللہ	رجل خوشاب	32
عظیم سکالر ادیب و شاعر ساحرؔ شیوی	ادارہ	33
آہ! فاروقؔ قریشی بھی جدا ہو گئے!!	امجد مرزا امجد	38
امجد مرزا کے ساتھ قہقہے	ادارہ	40

***

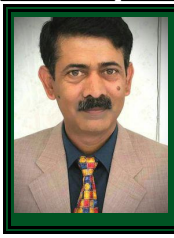

سیالکوٹ شہر مسلمان ہو گیا

طاہر احمد بھٹی

بابری مسجد (فیض آباد۔انڈیا)

ہندو | مسلم | بھائی بھائی

احمدیہ مسجد بیت المبارک (پاکستان)

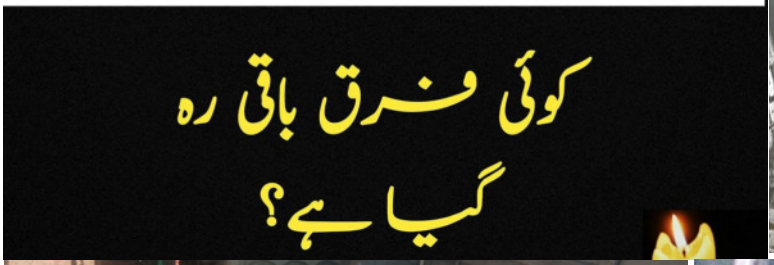

بات کے تین حصے ہیں اور ہر ایک کا الگ عنوان ہے، ڈوبتی کشتی میں ایک شگاف اور ہو گیا ہے اور بے خدا معاشرے، حکومت اور انتظامیہ نے مل کر خانہ خدا مسمار کیا، بنے گھر کو توڑنے کے لئے قانونی آڑ میں بدترین لاقانونیت کا مظاہرہ کیا اور حکومت اور انتظامیہ نے مل کر احمدیوں کے شہری حقوق پر کتے چھوڑ دئے اور میڈیا خاموش تماشائی بنا رہا۔ اقلیت اقلیت کھیلنے کو پچھلے ہفتے بساط بچھائی گئی اور چوبیس مئی کی رات کو سیالکوٹ شہر کے کشمیری محلے میں واقع مسجد مبارک اور ملحقہ مکان مسمار کرنے کا جہاد سحری تک جاری رہا۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق جو وجوہات گھڑ کے پیش کی جا رہی ہیں وہ یہ ہیں، مکان کی تعمیر نقشے کے مطابق نہیں تھی اس لئے گرایا گیا پہلے سیل کیا گیا تھا بعد میں قانونی کاروائی کرتے ہوئے گرایا گیا۔ ڈی پی او انکوائری کروا رہے ہیں۔

اقلیتوں کے جان و مال کا تحفظ ہماری اولین ذمہ داری ہے

ٹی وی پر مصطفی نواز کھوکھر اور فواد چوہدری دکان لگائے بیٹھے تھے اور کہا جا رہا تھا کہ ابھی حقائق سامنے نہیں ہیں کہ آیا انتظامیہ کا اقدام درست تھا یا غلط، البتہ اقلیتوں کے جان و مال کا تحفظ ہونا چاہئے۔ دونوں جھوٹ اور منافقت سے کام لے رہے تھے اور معاملے کی سنگینی سے پہلوتہی کر رہے تھے۔ وسعت اللہ خان، ضرار کھوڑو اور مبشر زیدی اپنے بے ضرر انداز میں اس واقعے پر تعجب اور بے بسی کا اظہار کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ احمدی کیا احسن اقبال سے زیادہ طاقتور ہیں...؟

جب وہ محفوظ نہیں تو انتظامیہ کیا کرے بے چاری، ان کو بھی تو اپنی جان عزیز ہے۔ وہ احمدیوں کے جان و مال کا تحفظ کیسے کریں؟ وجاہت مسعود صاحب نے رات گئے خبر لگائی اور فجر کے قریب اظہار افسوس کیا اور تلخ تحریر لکھنے سے گریز کی نصیحت کی کہ اس سے پاکستان میں آپ کے احمدی بھائیوں کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ (پہلے تو احمدی جنت کے ماحول میں رہ رہے ہیں) قریب چھ ماہ پہلے ایک قریبی دوست نے جو سیالکوٹ میں ہی تعینات ہیں، فہمائش کی تھی کہ کوئی ادبی اور شاعرانہ موضوعات پہ لکھا کریں۔ یہ کیا مذہبی ایشوز پہ لکھ رہے ہیں۔ کل کے واقعے پہ ان کو بھی پیغام لکھا کہ ماشاللہ آپ تو ضلعی انتظامیہ کے ذمہ دار افسر ہیں۔ بڑے ادبی اور شاعرانہ اسلوب میں آپ نے مسجد مسمار کروائی ہے۔ جزاک اللہ (اب جیسی جزاء اللہ چاہے۔...! مگر دے گا ضرور) اور یاد آیا کہ چند ماہ قبل ہماری ایک یونیورسٹی فیلو کا فون آیا۔ رسمی طور پر ہی پوچھا کہ کیا کر رہی ہو؟ بولیں کہ سی ایس ایس کی تیاری کر رہی ہوں۔ میں نے رواروی میں جملہ کسا کہ، اچھا۔... مطلب یہ کہ جب تک میں پاکستان آیا تو آپ اس وقت تک اسٹنٹ کمشنر بن کر کسی شہر میں احمدیہ مسجد کے مینار گروا رہی ہونگی؟ بے چاری روہانسی سی ہو کر کہنے لگیں کہ، میں تو ایسی نہیں۔ آپ تو جانتے ہیں! آج مجھے خیال آیا کہ یہ دوست بھی ایسے نہیں تھے اور کئی بار امام جماعت احمدیہ کے خطبات میرے ساتھ سنے اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی خطابت کے بڑے فین تھے۔ مگر یہ سلیم الفطرتی بس یونیورسٹی کے زمانہ طالبعلمی تک ہی چلتی ہے۔ پھر سیاستدان، ملائیت اور بیوروکریسی کا مکروہ گٹھ جوڑ ان کی فطری سعادت کو مسخ کر کے ان کی جگہ جھوٹے اور مکار ضلعی افسران لے آتا ہے۔

خیر یہ جملہ معترضہ ہی تھا۔ دن گزارا تھا بڑی مشکل سے رات کو ضیاالدین یوسفزئی نے اس واقعے پہ افسوس کرنے کے لئے فون کر دیا اور دن بھر کی تلخی میں نے ان کی سماعت میں گھول دی۔ میرا اصرار تھا کہ اب پرائیوٹ تعزیت بند کریں۔ اور بات پہلے اور ابتدائی ظلم سے شروع کریں، اگر ریاست کا جانبدار ہو کر اپنے شہریوں کے عقیدے کے حق پر حملہ جائز تھا اور آئینی ترمیم سیاسی اور سماجی لحاظ سے ٹھیک تھی تو پھر یہ حملہ اور احمدیوں کے شہری حقوق سے کھلواڑ پہ آپ سطحی افسوس رہنے دیں۔ ایک بے خدا معاشرے اور دہریہ حکمرانوں اور منافق سوشل فگرز سے ہمیں کسی طرح کی ہمدردی اور اشک شوئی کی حاجت نہیں ہے۔ اور ہم خدا کو بھی مانتے ہیں اور اس زمانے میں اس کے فرستادے پہ ایمان لائے ہیں۔ اب اگر وہ ہمارا تحفظ نہیں کرے تو آپ کی مشروط ہمدردی ہم نے چولہے میں جھونکنی ہے؟ اور تعلقات کو خود فیصلہ کر کے رکھیں یا چھوڑ دیں۔ ملاں کو بیچ میں مت لائیں۔ اس سے تو کنویں کا پانی پلید ہو جاتا ہے تو باہمی محبتیں کیسے قائم رہیں گی؟ بے چارے سخت سست چپ کر کے سنتے رہے۔ اللہ انہیں بھی جزاء دے۔ ایک سینیٹر قراۃ العین مری نے سینٹ میں کچھ جملے بولے اور چیئرمین صاحب کی سمع خراشی کا سبب بنی، اللہ ان کو بھی آواز بلند کرنے کی جزاء دے۔ عام قارئین کے لئے یہ عرض کر دوں کہ، مسجد اور ملحقہ عمارت سوا سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اور اس میونسپلٹی کے دودھ کے دانت نکلنے اور ان ضلعی افسران کے دادا سے بھی پہلے کی تعمیر شدہ عمارتیں ہیں۔ بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ان جگہوں میں رہائش رکھی اس لئے ان قدیم عمارات کو احمدی اپنے لئے مقدس تاریخی یادگار سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو قدیم طرز تعمیر کے انداز میں ہی اپنی آئندہ نسلوں کی زیارت گاہ کے طور پر محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اسی لئے اس کو گزشتہ برس مرمت اور تزئین و آرائش سے محفوظ بنایا گیا۔

اس سے ان "لبیکیوں" اور سفلے مقامی اسلامسٹوں کے جذبات مجروح ہوئے اور ایک ہفتے سے اس کے خلاف تقاریر جاری تھیں اور ضلعی انتظامیہ نے بلوائیوں کے آگے گھٹنے ٹیکے ہیں اور ان کی ڈوریاں سیاسی فوائد کے حریص لیڈروں کے ہاتھ میں تھیں جو اب احمدیت دشمنی میں ایک دوسرے کو پچھاڑ کر اپنا سیاسی مستقبل بچانا چاہتے ہیں۔ اس میں کیپٹن صفدر، نواز لیگ، عمران خان اور اس کے لوٹے سب یہ ثابت کرنے کی دوڑ میں ہیں کہ وہ دوسروں سے زیادہ قادیانیوں کے دشمن ہیں اور اس دوڑ میں فوج بھی جنرل باجوہ کے احمدی الزامات کے داغ دھونے میں لگی رہتی ہے۔ سارے احمدی ریاست کی ناک کے نیچے تہ تیغ ہو جائیں پر کسی پہ ختم نبوت کے منکر ہونے یا مرزائی نواز ہونے کا الزام نہ آئے۔ یہ وہ بے ایمانیاں ہیں جو آئینی اور قانونی جبے پہن کر ملک بھر میں ناچ رہی ہیں اور احمدی... آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور کبھی اپنے امام کو اذن طلب نظروں سے دیکھ کر پھر مالک کائنات سے فریاد کناں ہیں۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں دنیا بھر کے احمدیوں نے اس دعا پہ بہت زور دیا ہے کہ اَللّٰھُمَّ مَزِّقْھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ وَ سَحِّقْھُمْ تَسْحِیقًا

اے اللہ ان دشمنوں کو پارہ پارہ کر دے اور ان کی خاک اُڑا دے اور ان کو پیس کے رکھ دے اور ریزہ ریزہ کر دے۔ مگر آپ لوگوں نے تو شائد یہ کبھی سنی یا پڑھی ہی نہ ہو مگر احمدی یہ دعا بہت کر رہے ہیں۔ اگر آپ خدا کو ماننے والے ہوتے تو آپ اس دعا اور مستجاب الدعوات خدا سے ڈر بھی جاتے... مگر آپ تو خدا کو مانتے ہی نہیں تو آپ اس سے کیسے ڈریں؟ اور احمدی.... چونکہ خدا کو مانتے ہیں، اسلئے اب وہ آپ سے کیسے ڈریں۔؟؟؟ یہ ہے اصل مسئلہ صاحب، یہ ہے فیکٹ شیٹ اور باقی یہ کہ اقلیت ہیں جی۔ تعمیر کا نقشہ غیر قانونی تھا۔ انکوائری کروا رہے ہیں، اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔... یہ باقی سب جھوٹ، منافقت، ملمع سازی، کمینگی، سفلہ پن اور بکواس ہے!!!

***

غزلیات

نعت

ناصرہ رفیق

ملا ہے نبیوں کو جو پیالہ نظر وہ دستِ کرام ڈھونڈے
تسنیم وکوثر کی لذتوں کا یہ روحِ فیض تمام ڈھونڈے

کمال ہے تیری بندگی بھی جو نظر شاہِ انام میں ہے
محبتوں میں ہے ذکر دلبر اور سلسلہ کلام ڈھونڈے

لپٹ کے روضے کی جالیوں سے حضور اقدس کہے سلامیں
عقیدتوں سے درد موتی دوشالے نظر امام ڈھونڈے

ہے تشنگیِ دل مجھے تقاضا شفائے خاک اثر ملے گی
یہ جان ہر زخم کی شفا کو حضور خاکِ انعام ڈھونڈے

کب ناصرہ کی محبتوں کو دوام قطرہ نواز دیں وہ
بہت ہی بے اثر ہے عبادت حضور لطفِ مدام ڈھونڈے

عبیداللہ علیم

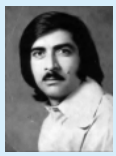

تیرے پیار میں رُسوا ہو کر جائیں کہاں دیوانے لوگ
جانے کیا کیا پوچھ رہے ہیں یہ جانے پہچانے لوگ

ہر لمحہ احساس کی صہبا روح میں ڈھلتی جاتی ہے
زیست کا نشہ کچھ کم ہو تو ہو آئیں مے خانے لوگ

جیسے تمہیں ہم نے چاہا ہے کون بھلا یوں چاہے گا
مانا اور بہت آئیں گے تم سے پیار جتانے لوگ

یوں گلیوں بازاروں میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں
جیسے اس دنیا میں سبھی آئے ہوں عمر گنوانے لوگ

آگے پیچھے دائیں بائیں سائے سے لہراتے ہیں
دنیا بھی تو دشتِ بلا ہے ہم ہی نہیں دیوانے لوگ

کیسے دکھوں کے موسم آئے کیسی آگ لگی یارو
اب صحراؤں سے لاتے ہیں پھولوں کے نذرانے لوگ

کل ماتم بے قیمت ہو گا آج ان کی توقیر کرو
دیکھو خونِ جگر سے کیا کیا لکھتے ہیں افسانے لوگ

مضطر عارفی

صلہ کوئی تو سرِ اوجِ دار دینا تھا
نہیں تھا پھول تو پتھر ہی مار دینا تھا

حریفِ دار بھی پروردگار دینا تھا
دیا تھا غم تو کوئی غم گسار دینا تھا

یہ وہ زمین تھی جو آسماں سے اُتری تھی
یہ وہ حوالہ تھا جو بار بار دینا تھا

وہ اک حسین تھا اس عہد کے حسینوں میں
اُسے کسی نے تو کافر قرار دینا تھا

مَیں اپنی تنگیٔ داماں کا عذر کیا کرتا
وہ دے رہا تھا اُسے بے شمار دینا تھا

تم اپنے آپ سے ملتے اگر اکیلے تھے
کڑا تھا وقت تو ہنس کر گزار دینا تھا

نہیں بتانا تھا لوگوں کو اپنا نام و پتہ
سرِ صلیب کوئی اشتہار دینا تھا

وہ بے لحاظ بھی کہتا کبھی خدا لگتی
اُسے بھی زخم کوئی مستعار دینا تھا

وہ برگزیدہ شجر لڑ رہا تھا موسم سے
کہ پھولنا تھا اُسے برگ و بار دینا تھا

ہمیں بھی عہد کے انجام سے تھی دل چسپی
کہ ہم فقیروں کا اس نے اُدھار دینا تھا

اُٹھائے پھرتے ہو مضطرؔ اُجاڑ گلیوں میں
یہ سر کا بوجھ تو سر سے اُتار دینا تھا

رشید قیصرانی

مانا وہ ایک خواب تھا دھوکا نظر کا تھا
اس بے وفا سے ربط مگر عمر بھر کا تھا

خوشبو کی چند مست لکیریں اُبھار کر
لوٹا اُدھر ہوا کا وہ جھونکا جدھر کا تھا

نکلا وہ بار بار گھٹاؤں کی اوٹ سے
اس سے معاملہ تو فقط اک نظر کا تھا

تم مسکرا رہے تھے تو شب ساتھ ساتھ تھی
آنسو گرے تھے جس پہ وہ دامن سحر کا تھا

ہم آج بھی خود اپنے ہی سائے میں گھر گئے
سر میں ہمارے آج بھی سودا سفر کا تھا

صحرا کے سر کی مانگ ہے اب تک وہ اک لکیر
حاصل جسے غرور تری رَہ گزر کا تھا

کالی کرن، یہ گنگ صداؤں کے دائرے
پہنچا کہاں رشیدؔ ارادہ کدھر کا تھا

طفیل عامر سندھو

دُکھ ہجر کے،فرقت کے یہ سہتی رہیں آنکھیں
کچھ بات تو تھی جس کو ترستی رہیں آنکھیں

انجان سے اک خوف نے خاموشی سے مارا
اب بول بھی دو،وقت ہے کہتی رہیں آنکھیں

تھی بات نبھانے کی تو پھر ساتھ نہ چھوڑا
جو حال بھی تھا ساتھ میں رہتی رہیں آنکھیں

ساون کے مہینے تو کئی آئے، گئے بھی
بادل تھا نہ برسات،برستی رہیں آنکھیں

احساس مگر اُن کو تو ہونے نہ دیا تھا
دل جانتا ہے، دل میں اُترتی رہیں آنکھیں
وہ بات جو تھی دیکھ نہ پایا میں کسی میں
آ آ کے مرے پاس، گزرتی رہیں آنکھیں
پڑھ لیتا ہے تحریر، لکھی ہو کہ نہ ہو، دل
بات اپنی سے دیکھا کہ مُکرتی رہیں آنکھیں

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

تیرے بغیر سارا نشیمن اُداس ہے
نظروں سے دُور ہو مگر دل کے تُو پاس ہے
جس کو اُٹھا کے آنکھ ذرا دیکھتا ہوں میں
سب کی نظر ہے دَر پہ ملنے کی آس ہے
ہر گام جو اُٹھاتے ہو وہ ساتھ ساتھ ہے
فضلِ خدا پہ دُشمنِ دیں بدحواس ہے
اس رشتے کو سمجھ نہیں سکتا کوئی بھی اور
مل کے بھی ملنے کی مجھے ہر وقت پیاس ہے
آ جائیں جلد لوٹ کر ہم منتظر ہیں سب
ہر شخص یاں پہ بہت اُداس ہے
کوکب نہیں چمکتا یہاں آپ کے بغیر
وہ روشنی ہے آپ کی جو میرے پاس ہے

چوہدری مسعود احمد

شب تیرہ میں روشن گر تیری تصویر ہو جائے
جدھر دیکھیں اُدھر تنویر ہی تنویر ہو جائے
اُسے دیکھوں تو اک تسکین کی صورت نکلتی ہے
نہ جانے کب ہمارے نام یہ جاگیر ہو جائے
تیرے بارے میں لکھتے وقت اکثر سوچتا ہوں میں
تیری رُسوائی کا باعث نہ یہ تحریر ہو جائے
میں اُسے ہجر کے موسم سے کوسوں دور رکھتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو وہ دلنشیں دلگیر ہو جائے
سنا کر کوئی نغمہ نیند سے ہم کو جگا دینا
مکمل جب ہمارے خواب کی تعبیر ہو جائے
تمہارے ساتھ جو باندھا تھا مدہوشی کے عالم میں
وہ بندھن کاش میرے پاؤں کی زنجیر ہو جائے
خدا نے تم کو جو منصف کی مسند پر بٹھایا ہے
کرو وہ فیصلہ جو باعثِ توقیر ہو جائے
خوشی کو ہاتھ سے اس واسطے جانے نہ دو ہرگز
نہ جانے کس گھڑی غم کا محل تعمیر ہو جائے
ہمارا صبر دیکھو اس نگر میں رو رہے ہیں ہم
کہ جس میں سانس لینا قابلِ تعزیر ہو جائے
یہی ہے آرزو مسعودؔ میری بزمِ یاراں میں
سنے میرے اشعار کی شہرت مثالِ میر ہو جائے

آدم چغتائی برمنگھم

وجودِ حضرت آدم کی عظمت دیکھنی ہوگی
ابھی اس خاک کے پتلے کی رفعت دیکھنی ہوگی
دلِ انساں تلوّن میں بہت مشہور ہے یارو
کبھی اُلفت کبھی نفرت کی حالت دیکھنی ہوگی
محبت حُسن ہے عین الیقین کی آخری حد تک
سلوکِ عشق میں اس کی حقیقت دیکھنی ہوگی
گراں قیمت صحیح بازار میں گو حسنِ یوسف کا
زلیخا کی محبت کی بھی قیمت دیکھنی ہوگی
شجر کیسا وہ پھل کیا جس سے عریاں ہو گیا آدم
یہ تمثیلاتِ فرقاں کی نزاکت دیکھنی ہوگی
تمہاری انجمن میں آ کے رُسوا ہو گیا آدمؔ
محبت کی مگر ہم کو نہایت دیکھنی ہوگی

قتیل شفائی

وعدہ حور پہ...بہلائے ہوئے لوگ ہیں ہم
خاک بولیں گے کہ دفنائے ہوئے لوگ ہیں ہم
یوں ہر ایک ظلم پہ، دم سادھے کھڑے ہیں
جیسے دیوار میں چنوائے ہوئے لوگ ہیں ہم
اس کی ہر بات پہ لبّیک بھلا کیوں نہ کہیں
زَر کی جھنکار پہ، بلوائے ہوئے لوگ ہیں ہم
جس کا جی چاہے وہ اُنگلی پہ نچا لیتا ہے
جیسے بازار سے منگوائے ہوئے لوگ ہیں ہم
ہنسی آئے بھی تو ہنستے ہوئے ڈر لگتا ہے
زندگی یوں تیرے زَخمائے ہوئے لوگ ہیں ہم
آسماں اپنا زمیں اپنی، نہ سانس اپنی تو پھر
جانے کس بات پہ..اِترائے ہوئے لوگ ہیں ہم
جس طرح چاہے بنا لے،،، ہمیں وقت قتیلؔ
درد کی آنچ پہ پگھلائے ہوئے لوگ ہیں ہم

اطہر حفیظ فراز

عشق خدا کے جب ہمیں ادراک ہوگئے
اہل زمیں تھے، شوکت افلاک ہوگئے
سورج ستارے چاند سب دامن میں اپنے آ گئے
جب ہم غلام صاحب لولاکؐ ہوگئے
''اے میرے والے مصطفےٰؐ!! اے سید الوریٰؐ!!''
تجھ پہ درود بھیج کے ہم پاک ہوگئے
مرزا!! ترے حریف ہیں کل کی کہانیاں
کتنے بلند و بانگ تھے، سب خاک ہوگئے
تجھ کو قبول کرتے ہی اعمال قوم کے
سب ٹھیک ہوگئے، سب ٹھاک ہوگئے
مالک!! مرے قدیر!! تو خود ہی پکڑ انھیں
دشمن ہمارے عہد کے بیباک ہوگئے

دشمن ہماری جان کے درپے ہیں اس طرح
گویا کہ ہم ذخیرہ خوراک ہو گئے
ہم کل بھی کامران تھے، ہم اب بھی کامراں،
ہم جب فرازؔ!! یار کی املاک ہو گئے

اندرجیت سنگھ جیتؔ

تو بات کرے ہے خوابوں کی
ہمیں فکر ہے پھٹی جرابوں کی
شوہر کی پھٹی قمیض ہے دیکھو
بیگم کی ٹوہر نوابوں کی
ہو جاتا ہے مرنا آساں
خوبی ہے یہی شرابوں کی
سر سے دوپٹہ سرکے ہے
کرتے ہیں بات حجابوں کی
اس شوروغل میں ڈسکو کے
گم سُم ہے تان رُبابوں کی
خوش رہنا گر تم چاہتے ہو
نہ فکر کرو حسابوں کی
ہم جن کو اپنا سمجھے تھے
وہ نکلی تین جنابوں کی
مت سوچ ابھی چھپ جانے کی
نہیں قدر جیتؔ کتابوں کی

اسحاق ساجد

کبھی ہوئے جو ترے عالم جمال میں گُم
ہیں اب بھی ریشمی یادوں کے تیرے جال میں گُم
اگر میں نہ پا سکا اس کو میرا کیا ہوگا
اک عمر تک میں رہا بس اسی سوال میں گُم
میں کانپ اُٹھتا تھا یہ سوچ کر کہ کیا ہوگا
جوانی ہوگئی گر بیتے ماہ و سال میں گُم
ضعیفی دور رہے اور نہ موت ہی آئے
اے کاش یوں ہی رہوں میں تیرے وصال میں گُم
نہ دیکھے میری طرف اور نہ مجھ سے بات کرے
وہ مجھ سے ہو کے خفا ہے یہ کس خیال میں گُم
میں تجھ کو رُوح کی گہرائیوں میں ڈھونڈتا ہوں
میں تیرے بالوں میں گُم ہوں نہ تیرے گال میں گُم

سلیم انصاری

اپنے زخموں کی قبا سے ٹوٹتا رشتہ مرا
کتنے شعروں سے چرا لے جائے گا لہجہ مرا
جسم کے شوکیس میں محفوظ رکھوں گا اسے
زندگی واپس تو کر ٹوٹا ہوا چہرا مرا
جی میں آیا اپنی ساری اُنگلیاں ہی توڑ دوں
گاؤں کے میلے میں جب گم ہوگیا بچہ مرا
خودکشی کرنے کی خاطر گھر سے نکلا ہوں مگر
آ کے تنہائی مری،خود روک لے رستہ مرا
ہنس پڑے جب میرے اندر درد کے تازہ گلاب
قہقہوں کی بھیڑ میں مرجھا گیا چہرہ مرا

مبارک صدیقی

صحرا صحرا کہنے سے گلزار بدلتے نئیں
دیکھ کے تیور دشمن کے ، ہم یار بدلتے نئیں
بات تو یہ ہے بندے کے کردار سے خوشبو آئے
گوچی باس لگانے سے کردار بدلتے نئیں
گھر کی زینت،گھر والوں کی عزت پیار سے ہے
لینڈ کروزر پوشے سے گھر بار بدلتے نئیں
جنکی فطرت میں ہو ڈسنا ، ڈس کے رہتے ہیں
بی اے ،ایم اے کرنے سے افکار بدلتے نئیں
بات تو یہ ہے دل کعبے کا کرتا رہے طواف
رسمی عمرے کرکر دنیا دار بدلتے نئیں
ایسا ہے کہ ایسا ویسا اور نہیں ہے کچھ بھی
ایسا ہے کہ کچھ بھی ہو ہم پیار بدلتے نئیں
دانشمندی ہے ’’ وہ کرنا ‘‘ جوکہ کہے طبیب
نسخہ جیب میں رکھنے سے بیمار بدلتے نئیں
جو ہیں اپنے، وہ اپنے ہیں سردی ہو یا گرمی
ہم موسم کو دیکھ کر رشتے دار بدلتے نئیں
اکثر تنہا رہ جاتے ہیں تیز مزاج وہ لوگ
دیکھ کے چال جو اپنوں کی رفتار بدلتے نئیں
ناانصافی، چھینا جھپٹی، قتل وغارت، ڈاکے
میرے دیس کے جانے کیوں اخبار بدلتے نئیں
بارش کی صورت جو اتریں وہ ہی لکھے جائیں
اس کے بعد مبارک کے اشعار بدلتے نئیں

منور احمد کنڈے

وادی اہل کرم کی اک ادا پکڑی گئی
صالحیت کی زمیں پر بھی خطا پکڑی گئی
وصل کے سینے میں چلتی سانس کی آغوش میں
ہجر میں ڈوبی محبت کی صدا پکڑی گئی
مل گیا جس کو ستاروں کی اسیری سے فرار
برزمیں اُتری تو روحِ بے بہا پکڑی گئی
تتلیوں کی نرمِ پرواز دوبالا ہوئی
بوئے گل سے باغ میں بادِ صبا پکڑی گئی
پتھروں سے منتیں وہ مانگتا ہی رہ گیا
دل سے میرے حدّتِ حمد و ثناء پکڑی گئی
التجائیں لاکھ سجدوں میں بھٹکتی ہیں مگر
جو تڑپتی ہے جبین میں وہ دعا پکڑی گئی
برق بھی ہے بادلوں سے ہوگئی ناراض سی
تیرگی میں جگنوؤں کی جب ضیاء پکڑی گئی
حالِ غم دیکھا ہمارا رات بھر رویا فلک
سبزہ زاروں پر ہے اشکوں کی ردا پکڑی گئی
اُلفتوں کا راز کھُل کے آگیا ہے سامنے
اُن کے ہاتھوں پر منورؔ جب حِنا پکڑی گئی

میر محمد تقی میرؔ کا ترکِ اسلام اور نام نہاد خدائی فوجدار

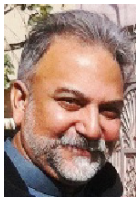

طارق احمد مرزا

اردو کے مشہور شاعر میر تقی میرؔ اپنے زمانہ کے ایک بیحد دکھی مگر ترقی پسند انسان تھے۔اپنی زندگی میں کئی بار دلی کو لٹتے دیکھا۔مسلمان حملہ آوروں نے ایک حملہ میں تو ان کے گھر کو بھی مسمار کر کے چٹیل زمین بنا دیا تھا۔لٹ پٹ کر آپ کبھی کسی مسلمان مہاراجہ کے ہندو وزیر تو کبھی ہندو راجہ کے مسلمان وزیر کے زیرِ بار احسان ہو کر جان بچاتے۔زندگی کے ان سبق آموز نشیب وفراز (فراز محض محاورتاً لکھا ہے،حقیقت میں تو نشیب ہی نشیب تھے) میں سے بار بار گزر کر انہیں احساس اور ادراک ہوا کہ اصل مذہب تو انسانیت ہے اور انسانیت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی منافقتوں اور مذہب کے نام پہ گردنوں کو کٹتے دیکھا تو میر صاحب مذہب سے ہی بیزار ہو گئے۔انسان کو مار دینا تو انتہائی آسان ہے لیکن انسان کا پھر سے ہاتھ آنا مشکل نہیں ناممکن ہے:۔

مشکل بہت ہے ہم سا پھر کوئی ہاتھ آنا

یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا

لیکن افسوس کہ ہر دور میں ایسے خود ساختہ خدائی فوجدار ضرور موجود ہوتے ہیں جن کے لئے انسانی جان کی کوئی بھی اہمیت نہیں ہوتی۔ان خدائی فوجداروں کے لئے نہ صرف کسی کو جان سے مار دینا آسان ہوتا ہے بلکہ مذہب یا عقیدہ و نظریہ کی بنیاد پر کسی کا جینا حرام کر دینا اس سے بھی کہیں زیادہ تسکین قلب اور طمانیت کا باعث بنتا ہے جس کے حصول کے لئے وہ رات دن نت نئے طریقے ایجاد کرنے کی سوچتے رہتے ہیں۔برصغیر پاک و ہند میں تو اس قسم کے خودرو اور خود ساختہ خدائی فوجداروں کی کوئی کمی نہیں، جو نہ صرف مذہب کے ٹھیکیدار بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لوگوں کے دلوں کا حال جاننے کے بھی دعویدار بن کر دندناتے پھرتے ہیں۔حال ہی میں اسلامی جمہوریہ کے ایک قاضی القضاۃ کو یہ جوش چڑھا ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک اس ملک میں نوکری کرنے والوں کی مذہبی بنیادوں پر لسٹیں تیار کی جائیں اور دیکھا جائے کہ ان میں سے کتنوں نے دوران سروس یا بعد از ریٹائرمنٹ اپنا ایمان،عقیدہ یا مذہب بدلا،اور پھر یہ کہ کتنی بار بدلا۔پتہ نہیں اس سروے یا ان لسٹوں کے بعد انہوں نے ایسے افراد کا کرنا کیا ہے؟۔قرآن کریم میں تو ایسے افراد کا بھی ذکر ہے جو پہلے کافر تھے،پھر ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے،اور اس کے بعد پھر ایمان لے آئے،اور اس کے بعد نہ صرف پھر کافر ہوئے بلکہ کفر میں مزید بڑھ گئے (سورہ النساء،آیت 137) لیکن ان کے بارہ میں کوئی لسٹیں تیار کرنے یا دنیا میں ان کا تیا پانچہ کرنے کا کوئی ٹھیکہ کسی کو نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ انکے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہوا ہے۔(تمہارے کسی فرمان یا فیصلہ کی ضرورت نہیں)۔

لسٹیں تیار کرنے کے گورکھ دھندے میں پڑ گئے تو اس کا اطلاق ذرا اس زمانہ پہ کر کے دیکھیں جب پیغمبر اسلام ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق ''آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر''۔(سنن ابوداؤد۔کتاب الفتن والملاحم)۔سچ پوچھیں تو یہ زمانہ آج کا ہی معلوم ہوتا ہے!، تو جناب قاضی صاحب موصوف سارا دن بوکھلائے پاگل کی طرح ان سینکڑوں ،ہزاروں یا لاکھوں ''مرتدوں'' کی لسٹیں تیار کروانے اور انہیں پڑھنے سے فارغ بھی نہیں ہوئے ہونگے جو علی الصبح کافر ہو گئے تھے کہ رات کو کافر بن جانے والے سینکڑوں،ہزاروں لاکھوں سابق مومنوں یا مرتدوں کے نئی لسٹیں تیار کرنے کا نیا مرحلہ سر پہ آن کھڑا ہو چکا ہوگا!۔اور پھر ایسے میں مذہب کے خانہ والے شناختی کارڈ بنانے والے ادارہ 'نادرا' میں کام کرنے والوں کی حالت زار کا بھی اندازہ کیجئے جو ان خدائی فوجدار جج صاحب کے حکم پر ان کے ساتھ صبح شام لسٹیں تیار کر کر کے اور اس کے مطابق شناختی کارڈوں کو ان افراد کے ہر صبح اور ہر شام کو بدل جانے والے کفر و اسلام کے مطابق بار بار تصحیح شدہ قومی شناختی کارڈ جاری اور پھر کینسل کر کر کے خود بھی پاگل بن چکے ہونگے۔

(شرم تم کو مگر نہیں آتی!) واضح رہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے صرف اس قسم کے زمانہ اور اس میں موجود کمزور ایمان والوں کا تذکرہ ہی کیا ہے،کسی کو یہ ٹھیکہ یا اجازت نہیں دی کہ وہ ان کے حالت ایمان سے حالت کفر میں آجانے پر کوئی تادیبی کارروائی کرنا یا لسٹیں بنانا یا فتوئے دینا شروع کر دے۔نہ کسی نام نہاد ''ڈیکلریشن'' پہ دستخط لینے کا حکم دیا، بلکہ اس کے بالکل برعکس نہایت واضح الفاظ میں ہدایت جاری فرمائی۔چنانچہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے پوچھا کہ (ایسی صورتحال میں) آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟۔تو آپؐ نے فرمایا کہ'' اپنی کمانیں توڑ لینا اور کمان کی تانت کاٹ دینا اور اپنی تلواریں پتھروں پہ

مار (کرتوڑ) دینا۔ پس اگر کسی شخص کو تمہارے پاس بھیجا جائے تو پھر ابن آدم کے اچھے بیٹے کی طرح ہونا (یعنی ہاتھ نہ اٹھانا)''۔ مگر اس واضح فرمان نبویؐ کے بالکل برعکس ہمارے محترم جج صاحب موصوف حالت ایمان سے حالت کفر اور حالت کفر سے حالت ایمان میں جانے والوں کی لسٹیں تیار کروانے، اور ان پر روزگار معاش کے دروازے بند کرنے یا کھولنے کا اعلان جاری کرتے ہوئے، گویا خود کو رازق اور مالک، یا غالباً اپنے تئیں خود کو جنت اور دوزخ کا ٹھیکیدار سمجھتے ہوئے، بڑے فخر و تکبر و انبساط سے ابن آدم کے اچھے نہیں بلکہ برے بیٹے کی طرح اپنی قلم کمانیں سونتے اور قانونی تلواریں تیز کرنے پہ تلے نظر آرہے ہیں۔ مذکورہ حدیث کے الفاظ میں ''ابن آدم'' کی ترکیب استعمال کرنے میں یہ بھی پرحکمت اشارہ ہے کہ تم سب ابن آدم ہو، اپنی اور دوسروں کی یہ بنیادی اوقات اور مقام یاد رکھو اور پھر ابن آدم کے اچھے بیٹے بن کر دکھاؤ جو کسی کا جسمانی، اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی اور معاشی قتل نہیں کرتا بلکہ آدمیت کے مقام کو پہچان کر اس کی عزت و توقیر بحال کرتا ہے۔ حضرت میرؔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ایمانیات، دین اور مذہب کو تماشہ بنانے والے ان جیسے عقل کے ماروں کو ہی مخاطب کرتے ہوئے میر تقی میرؔ نے مذہب کو ہر شخص کا انفرادی اور ذاتی معاملہ قرار دیا اور اسے زیر بحث لانے سے اجتناب برتنے کی تلقین کی:

مذہب سے میرے کیا تجھے، میرا دیار اور
میں اور، میر ایار، میرا کاروبار اور

ویسے بھی اگر ایک شخص ابھی جستجو کر رہا ہو، اور حقیقی منزل تک پہنچنے سے پہلے وہ کبھی دیر اور کبھی مسجد میں نظر آئے تو فٹ سے اس پر کوئی فتویٰ لگانے سے پہلے اس کی اپنی زبانی اس کی بات تو سن لے:۔

کبھو تو دیر میں ہوں میں، کبھی ہوں کعبہ میں
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس در کا

آپ نے دیر و حرم کے حوالے سے مذہب کی تاریخ و اصل سے آگاہی حاصل کی، اور اپنے ازلی و ابدی ''یار'' کو ہر جا موجود پایا تو بے اختیار پکار اٹھے کہ:

اس کے فروغِ حسن سے چمکے ہے سب میں نور
شمع حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

میرؔ صاحب نے فرمایا کہ کفر اور اسلام کے جھگڑوں میں پڑ گئے تو دنیا لاشوں کا ڈھیر ہی بن کر رہ جائے گی:۔

مسلم و کافر کے جھگڑے میں جنگ و جدل سے رہائی نہیں
لوتھوں پہ لوتھوں گرتی رہیں گی، کٹتے رہیں گے سر پہ سر

میرؔ کے نزدیک اہم ترین اور بنیادی چیز آدمیت ہے، ایسی مذہبیت اور عبادت جو آدمی کو جانور سے ممیز و ممتاز نہ کر پائے، کسی کام کی نہیں۔ اپنے ''شیخ جی'' کو ہی دیکھ لیں:۔

حج سے کوئی آدمی ہو تو سارا عالم حج ہی کرے
مکے سے آئے شیخ جی لیکن وے تو وہی ہیں خر کے خر

ایسا ''گدھا'' جہاں سے مرضی ہو آئے، وہی خر کا خر ہی رہتا ہے:۔

مکہ گیا، مدینہ گیا، کربلا گیا۔۔ جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آ گیا!۔

اگر کسی حاجی نمازی کو اپنے جیسے گوشت پوست کے دوسرے انسانوں کی عزت و توقیر کرنا نہیں آتی اور چہرے پہ مصنوعی مذہبیت طاری کر کے ایک جھوٹے تکبر سے چھٹکارا نہیں پا سکا تو کیا حاصل؟۔

فائدہ کیا نمازِ مسجد کا قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا

غالباً اسی دوعملی اور منافق طبع خدائی فوجداروں سے بیزار ہو کر میرؔ نے ببانگ دہل اعلان کر ڈالا کہ:۔

میرؔ کے دین و مذہب کا کیا پوچھتے ہو، ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ:۔

آ کے مسافر میرؔ عرب میں اور عجم میں کہتے ہیں
اب شہروں میں ہندوستاں کے کافر میرؔ کہاؤں گا

میرؔ کو معلوم تھا کہ ترکِ اسلام کے بعد ہر طرف ''کافر میرؔ'' کے چرچے اور ان پر بحثیں شروع ہو جائیں گی، مذہب کے ٹھیکیداروں اور خدائی فوجداروں کے کیمپوں میں خوب مجلسیں جمیں گی، فتووں کا بازار گرم ہوگا، اور ہر طرف رونق ہی رونق ہو جائے گی۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ میر صاحب کے زمانہ سے لے کر اب تک عالم اسلام کی رونقیں کسی دینی یا دنیاوی ترقی نہیں بلکہ تکفیری کارروائیوں سے ہی قائم دِکھتی چلی آ رہی ہیں، جس کی طرف نڈر اور حقیقت پسند میرؔ صاحب کیا دھڑلے سے فرماتے ہیں کہ:۔ کفر کچھ چاہیے اسلام کی رونق کے لئے!

لیکن کیا یہ المیہ نہیں کہ ''شریفِ مکہ'' اس قسم کی ''رونقِ اسلام'' سے بیزار ہو کر شراب خانے کا گدا بن جائے؟۔ یہ گناہ کس کے سر ہوگا؟۔

شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
یہ میرؔ اب جو گدا ہے شراب خانے کا

حمد، نعت اور منقبت لکھنے والے میرؔ صاحب کا ترکِ اسلام، جنہیں شمع حرم اور سومنات کے دیئے میں ایک ہی ذات کا نور جھلکتا نظر آتا تھا، ترکِ مولوی و قاضی برانڈ اسلام تھا یا کچھ اور، اپنے عہد کے سب سے بیدار مغز، روشن خیال اور ترقی پسند ''بلاگر'' کی حیثیت سے اپنے ترک اسلام کا اعلان کر کے انہوں نے برصغیر کے عوام وخواص کو جو پیغام آج سے کوئی دوسو سال قبل دیا وہ یہی تھا کہ تحقیق وجستجو، ترکِ مذہب، یا تبدیلیٔ مذہب ہر انسان کا بنیادی حق ہے جو اسے ملنا چاہئے۔شعور اور ارتقا کی منازل کبھی طے نہیں ہوتیں، اس لئے تبدیلیٔ مذہب یا تبدیلیٔ عقیدہ پر فٹ سے کوئی فتویٰ قتل داغ دینا، یا اس بنا پہ کسی کا معاشرتی و معاشی استحصال کرنا، دھونس جمانا، ہاتھ اٹھانا ابن آدم کے اچھے بیٹوں کو زیب نہیں دیتا۔ میرؔ صاحب کو معلوم تھا کہ ''رب دلاں وچ رہیندا''، کوئی خدائی فوجدار یا خودساختہ اسلام کا ٹھیکیدار اختلاف اعتقاد کی بنیاد پر کسی کا دل توڑ کر اس کے ٹکڑوں سے اپنا کوئی کعبہ تعمیر کر بھی لے تو کیا؟۔

مت رنجہ کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد
دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

قارئین کرام، اقوام متحدہ کے منظور کردہ حقوقِ انسانی کے عالمی چارٹر (جس کا پاکستان بھی ایک دستخطی ہے) کا آرٹیکل 18 دنیا کے ہر انسان کو بنیادی طور پر حاصل تبدیلیٔ مذہب کے حق کی توثیق مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے:۔

Everyone has the right to freedom of thought, conscience and religion; this right includes freedom to change his religion or belief, and freedom, either alone or in community with others and in public or private, to manifest his religion or belief in teaching, practice, worship and observance.

آج میرؔ صاحب حیات ہوتے تو انسانی حقوق کے عالمی چارٹر کے اس آرٹیکل کو پڑھ کر ان کی تسلی ہو جاتی کہ جدید دور کی جدید دنیا نے نہ تو انہیں بھلایا ہے اور نہ ان کی باتوں کو۔اقوام عالم کی مہذب دنیا ان کی باتوں کو نہ صرف غور سے سنتی اور ان پر دیر تلک سر دھنتی ہے بلکہ انہیں اپناتی بھی ہے۔ بالکل درست فرمایا تھا آپ نے اپنے بے لاگ ''بلاگ'' میں کہ:

باتیں ہماری یاد رہیں، پھر باتیں نہ ایسی سنیے گا
پڑھتے کسو کو سنیے گا، تو دیر تلک سر دُھنیے گا
سعی وتلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی
صحبت میں علماء فضلاء کی جا کر پڑھیے، گنیے گا

اہم اعلان

خاکسار ایک کتاب مرتب کرنے کی کوشش میں ہے۔جس کا نام ہے۔''سپوتِ ایشیا'' جو کہ اصل میں چودھری سر ظفراللہ خان کے متعلق ہوگی۔اصل میں اُن کی شخصیت اور کردار کے متعلق اور جو کارہائے نمایاں انہوں نے اپنی زندگی میں سرانجام دیئے ہیں اس کے متعلق احباب کی آراء اکٹھی کر کے ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہے۔اس لئے سب دوست احباب سے گزارش ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی مواد ہو، کسی کتاب کے متعلق بتا سکیں، جس سے مدد لی جا سکے۔کوئی واقعہ ہو، کوئی پرانی تصویر ہو، چودھری سر ظفراللہ خان سے متعلق ہو تو ضرور شیئر کریں۔معاون حضرات کا ذکر بھی کیا جائے گا۔کوئی اخبار یا مضمون کا تراشا ہو۔ضرور ارسال کریں۔

ranarazzaq52@gmail.com
فون نمبر:00442089449385 / 00447886304637
احباب اس پر رابطہ کر سکتے ہیں۔
خاکسار۔رانا عبدالرزاق خان لندن

مسجدیں گرا کے تم خود کو کیا سمجھتے ہو

سانحۂ سیالکوٹ پر

مسجدیں گِرا کے تم خود کو کیا سمجھتے ہو
ناخدا سمجھتے ہو یا خدا سمجھتے ہو
جس کا گھر گِراتے ہو اس کا ڈر نہیں تم کو
اس کے غیض سے خود کو ماورا سمجھتے ہو
کیا کبھی جوا خانہ آج تک گرایا ہے
معبدوں کو کیوں آخر تم برا سمجھتے ہو
کیا سیالکوٹوں میں دیدہ ور نہ تھا کوئی
جاہلوں کی ٹولی کو قافلہ سمجھتے ہو
روشنی سے تم نے کیوں جنگ چھیڑ رکھی ہے
رات کے اندھیرے کو راہنما سمجھتے ہو
شمر اور یزیدوں کو دائیں بائیں رکھتے ہو
اور خود کو وارثانِ کربلا سمجھتے ہو
ہم تو لکھتے جائیں گے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ
تم اِسے مٹانے کو معرکہ سمجھتے ہو

[illegible] یہ خدا کا مسکن ہے
توڑنا دلوں کو تم مشغلہ سمجھتے ہو

عبدالکریم قدسیؔ

چھیدا پہلوان

امجد مرزا امجد
(سچی کہانی افسانے کے روپ میں)

سڑک کے دائیں بائیں درخت تیزی سے پیچھے بھاگتے جا رہے تھے اور دھوپ میں چمکتی تارکول کی سڑک سانپ کی طرح کار کے نیچے سے سرکتی ہوئی مجھے اپنے ساتھ لپیٹتی کئی سال پیچھے لے گئی ماڈل کالونی محلے کی صاف ستھری اینٹوں کی گلیوں میں دنیا کی آلائشوں سے بے نیاز کھیلتے ہوئے لڑکے جن میں میری اور چھیدو کی دوستی مثالی تھی۔ وہ ایسے ماحول میں بڑھا پلا تھا جہاں کسی کو چاقو مار دینا یا سر پھاڑ دینا معمولی بات تھی۔ اور وہ اپنے علاقے کے ایسے کارنامے بڑے فخر سے سنا کر سب کو مرعوب کر دیتا۔ ''آج میں نے شمالی محلے کے لڑکوں کو خوب مارا جو کئی دنوں سے مجھے ڈھونڈ رہے تھے مگر ان کی ایسی دھلائی کی کہ وہ یاد رکھیں گے'' وہ فخریہ انداز میں سب کو دیکھتا اور ہم سب لڑکوں کی آنکھوں میں خوف کے سائے منڈلاتے دیکھ کر اس کی گردن اور تن جاتی ''آج پتہ ہے کیا ہوا... میں ادھر ہی آ رہا تھا کہ مشین محلے کے چار لڑکے راستہ روک کر کھڑے ہو گئے بس پھر کیا تھا کہ میں نے ایک کو دھوبی پٹڑ الگایا دوسرے کے ناک پر ٹکر جمائی تیسرے نے اتنا بڑا چاقو نکال لیا میں نے اس کا بازو مروڑ کر چاقو چھین کر اس کی ران میں چھرا گھسیڑا تو اس نے ایسی چیخ ماری کہ وہ تینوں بھاگ گئے'' اور سننے والوں پر اس کی الم غلم لاف گذاف باتوں کا ایسا اثر ہوتا کہ یہ بھی کوئی نہ پوچھتا کہ اس زخمی کا کیا ہوا۔ ہر روز یا دوسرے تیسرے روز بقول اس کے اس کی کسی نہ کسی کے ساتھ خونی جنگ ضرور ہوتی اور وہ ہمیشہ سب کو مار کے آتا۔ چھیدے کی ان مبالغہ آمیزی اور جنگ وجدل سے بھرپور باتوں کا اثر تھا کہ وہ ہمارے محلے کا ہی نہیں سارے شہر کا خطرناک لڑکا جانا جاتا اور مجھے اس کی دوستی کا فخر تھا۔

اس کی دوستی میں میرا رعب بھی محلے میں اپنے ہم عمر اور چھوٹے لڑکوں پر قائم رہا۔ جب کہ میں ڈرپوک قسم کا لڑکا نہ تھا اکیلا اور خوش شکل ہونے کی وجہ سے اکثر والد ماجد نصیحت کرتے اور حکمیہ حوصلہ بڑھاتے ''پہلے کسی سے چھیڑ مت کرو اور لڑائی سے پرہیز کرو مگر لڑائی سوار ہو جائے اور کوئی چھیڑنے سے باز نہ آئے تو پھر بھڑ کی طرح چمٹ جاؤ مقابل کو بے حال کر دو... یاد رکھو اگر مار کھا کے روتے ہوئے گھر آئے تو آگے سے مزید مار پڑے گی'' ایک طرف باپ کی یہ حوصلہ افزائی جو اصل میں میری حفاظت کے پیش نظر تھی دوسری طرف چھیدے جیسے بھڑ بونگے کی دوستی نے مجھے ہمیشہ کے لئے بیباک اور ایسا نڈر بنا دیا کہ آج تک کوئی مرعوب نہ کر سکا اور زندگی جو خود ایک مسلسل لڑائی ہے میں کبھی میدان نہ چھوڑا۔ بلکہ اس بے خوفی نے کئی بار خطرناک قسم کی شرارتوں میں ملوث کر دیا۔... وقت گزرتا گیا لڑکپن سے جوانی کی سرحد شروع ہو گئی اور حالات نے گھریلو ذمہ داریوں کی بھاری گٹھڑی کندھوں پر رکھ دی جسے اٹھاتا ہوا میں سات سمندر پار کر گیا اور پھر شبانہ نے خبر دی کہ چھیدے نے اپنے علاقہ کے ایک نامور بدمعاش کو سرِ عام چاقو مار کر قتل کر دیا اور چند سال کی قید کے بعد حفظ ماتقدم کے تحت کیس جیت کر رہا ہو گیا اور اب اس علاقہ کے نامی بدمعاشوں میں شمار ہوتا ہے... اس نے اپنی منزل کو پا لیا تھا کیونکہ یہ ایک طرح کی احساس کمتری تھی جس نے چودہ پندرہ سال کی عمر سے اس کے دماغ کو احساس ناکامی کے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا اپنے ہم عمر لڑکوں کو ان جھوٹی باتوں سے مرعوب کرنا جن میں سوائے لڑائی مار کٹائی کے کچھ نہ ہو یہ اس کے لاشعور میں پیوست وہ تشنگی تھی جسے اس نے موقع ملتے ہی ایک غنڈے کی انتڑیاں نکال کر پورا کر لیا تھا۔ اب وہ مکمل ہو چکا تھا ریجنٹ سینما کے گرد و نواح اور رام دین بازار کے ماحول میں پل بڑھ کر وہ کسی کو چاقو مار کر اس تخت پر بیٹھنا ہی کامیابی سمجھتا تھا اور بالآخر اس نے ایک بدمعاش کو قتل کر کے چند سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہ کر اس بادشاہی کا تاج سر پر سجا لیا... اور جو کبھی عبدالرشید سے چھیدہ بنا وہ خون کا سہرا سجا کر چھیدہ پہلوان بن گیا اب اس کے شہر میں کئی جوئے کے اڈے تھے کئی ہوٹلوں اور شہر کے رئیس صنعت کار اور پولیس و فوجی آفیسروں کی اعلیٰ قسم کی شراب سپلائی کرنا اور حکومت کے خلاف جلسے جلوسوں کو درہم برہم کرانا یہ سب نیک کام یہی کرتا تھا اور ایک دنیا کانپتی تھی چھیدے پہلوان کے نام سے... دنیا کا تو ہمیشہ یہی دستور رہا کہ وہ زمانہ غار سے لے کر آج تک اسی کو سلام کرتی آئی ہے جس کے ہاتھوں سے دوسروں کا خون ٹپک رہا ہو اور جس کے ہاتھ میں تیز اور خون آلودہ کلہاڑی ہو۔ کیا آج تک کسی شریف بے ضرر اور نرم دل والے کو تاج پہنایا گیا؟۔

یہ ہر جاندار کی جبلت ہے کہ وہ جس سے ڈرتا ہے اسی کو حاکم مانتا ہے انسان ہو یا جانور جو بھی طاقتور ہو گا وہی سردار ہو گا۔ چھیدے کو ماحول نے بہت سے نشوں کا عادی بنا دیا تھا منشیات کے مسلسل استعمال نے اس کے خون کو جلا ڈالا اور وہ ہڈیوں کے پنجر میں ڈھل چکا تھا مگر زندگی میں ایک بار شیر کی جھپٹ دکھا کر اس

زمین پر خون کا چھڑکاؤ کر کے اپنی دہشت اور سرداری کو تسلیم کرا لیا تھا اب اس جنگل کے قانون کے مطابق جب تک اس کے خون کے چھینٹے زمین نہیں چوستی اس کی سرداری قائم رہے گی۔ زندگی کی ایسی کامیابی کا فیصلہ زندگی کے اختتام پر ہی ہوتا ہے۔ وقت پر لگا کر اڑتا رہا میں کئی بار واپس وطن گیا مگر اب میرے گھر والے راولپنڈی سکونت اختیار کر چکے تھے جہلم نے پھر مجھ سے ایک رشتہ جوڑا جو زندگی بھر کا تھا۔ اب سسرال کی وجہ سے وہاں جاتا اور کسی نہ کسی کی زبانی چھیدے پہلوان کے حالات پتہ چلتے رہتے کئی بار سوچا اسے جا کر ملوں مگر وقت کی کمی آڑے آئی۔ اس نے جہلم کی ایک پیشہ ور عورت کو گھر ڈال رکھا تھا مجھے کوئی اچھنبہ نہ ہوا کہ دریا کنارے کے بدمعاش کو اور کون قبول رکتا ایسے لوگ اسی قسم کی عورتوں سے ہی تعلق قائم کرتے ہیں اس کی بہن بھی اس بات پر ناراض تھی اور اس سے بول چال منقطع کی ہوئی تھی۔

اٹھائیس سال گزر گئے بچوں کی بڑھتی عمر کے پیش نظر ہم نے پاکستان جا کر رہنے اور ان کو اپنے ملک میں تعلیم دلانے کا پروگرام بنایا اور اس کی تکمیل میں عازم وطن ہوئے۔ دو تین سال سیٹل ہونے میں لگ گئے جب ذرا فارغ ہوا تو ایک دن چھیدے پہلوان کی یاد آئی اگلی بار جب جہلم گئے تو اس کی بہن سے پتہ پوچھ کر اس کو ملنے روانہ ہوا اس کو ملنے کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔ وہ عورت... جس کے متعلق متعدد بار سنا تھا کہ لاکھ خاندانی مخالفت کے باوجود چھیدے نے اس عورت کا ساتھ نہیں چھوڑا... اور کہ چھیدے نے اس کے لئے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور سب کچھ چھوڑ کر کسی دور دراز گاؤں میں چلا گیا۔ اس عورت میں ایسی کیا خصوصیت ہے جس نے چھیدے جیسے کج طبع شخص جس کی نشوونما ہی ٹیڑھے خطوط پر ہوئی اس میں ایسی تفویض سپردگی اور شیدائیت کا جذبہ کارفرما کر دیا کہ وہ ایک بازار میں جسم بیچنے والی عورت کے حصول کے لئے سب کچھ چھوڑ بیٹھا۔ میرا تجسس مجھے اسے ملنے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔ کار سڑک کے سینے کو روندتی وقت کی طرح ہر شے کو پیچھے چھوڑتی اپنی رفتار سے بڑھتی گئی اور ماضی کی یادیں سڑک کے کنارے لگے درختوں کی طرح زناٹے کے ساتھ شوکتی ہوئی گزرتی گئیں کہ میں چونکا، سامنے مطلوبہ گاؤں کو بورڈ دکھائی دیا اور میں مین روڈ سے اتر کر اس پر ہو لیا یہ نئی آبادی تھی اور کچی سڑک پر نئے بنے ہوئے مکانوں سے خارج ہوتے ہوئے گندے پانی نے جگہ جگہ جوہڑ بنا رکھے تھے ایک گلی میں کار کو روک کر پیدل جانا مناسب لگا اس کشادہ گلی میں نئے ڈیزائن کی کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں اور کچھ زیر تعمیر تھیں سوچ کی گھنٹی بجی کہ واہ چھیدے نے اچھا پیسہ بنایا اور یہاں آ کر اچھی رہائش اپنا لی۔ بتانے والا خود مکان نمبر سے نابلد تھا لہٰذا مجھے چھیدے کے اصل نام سے اسے ڈھونڈنا تھا۔ اس مختصر سی آبادی میں لازمی چھیدے پہلوان جیسے آدمی کو تو سب ہی جانتے ہوں گے۔ میں گلی میں وسط میں بہتی نالیوں سے پاؤں بچاتا گلی کے آخر تک گیا تو اک زیر تعمیر مکان کے ڈھانچے میں بنے ہوئے ایک کھوکھے پر نظر پڑی ''بھائی صاحب عبدالرشید صاحب کی کوٹھی کون سی ہے'' میں نے علاقہ کی مناسبت سے اس کا پورا نام ہی پوچھنا مناسب سمجھا بوڑھے سے خستہ حال لباس میں دوکاندار نے چند لمحے سوچا پھر نفی میں سر ہلایا ''جی ان کوٹھیوں میں اس نام کا کوئی بندہ نہیں رہتا وہ کیا کام کرتے ہیں اور کب سے یہاں ہیں؟'' اس نے دو سوال ایسے کر دیئے جن کا میں جواب دینے سے قاصر تھا میں مسکرایا ''جی یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ مجھے ان سے ملے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا ہے البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ پہلے جہلم رہتے تھے اور اب کچھ سالوں سے اس علاقہ میں رہائش پذیر ہیں'' اس نے بتایا کہ ان تمام نئی کوٹھیوں میں اس نام اور جہلم کا کوئی آدمی نہیں۔ آپ اس گلی کے دائیں طرف مڑ جائیں وہاں کافی پرانے مکان بنے ہوئے ہیں شاید ان میں کوئی اس نام کا ہو اسی گلی میں ایک پرانی دکان ہے اس سے پوچھ لیں۔

دائیں جانب گھومتے ہی نقشہ بدل گیا اس طویل سی گلی میں دو تین مرلے کے پلاٹ تھے اور ان میں گلی کے دونوں اطراف میں چھوٹے چھوٹے مکانات کی لمبی قطاریں تھیں جگہ جگہ گلی کے بیٹھے ہوئے کچے فرش کے کھلے ہوئے منہ میں نالی کا پانی بھرا ہوا جس میں تھوڑے تھوڑے وقفے پر ایک ایک اینٹ رکھی ہوئی تھی۔ ان اینٹوں کے پل سے گزرتا ہوا دوکاندار سے پوچھا جہاں ایک جوان سی عورت کھڑی تھی اس نے ساتھ ہی بیٹھے اپنے خاوند کو مخاطب کیا۔ ''وے میرا خیال اس کنیز کے خاوند کے متعلق پوچھ رہے ہیں'' اور پھر خاوند کا جواب سنے بغیر مجھ سے مخاطب ہوئی ''جی! آپ اُدھر جائیں اور وہ نیلے سے دروازے والا مکان ان کا ہے'' تصور میں چھیدے کے جوئے شراب اور بدمعاشی کی برسوں کی کمائی میں بنی ہوئی کسی عالیشان کوٹھی کا خواب اس کی گلی کی ابلتی ہوئی نالی کے پانی میں بہہ گیا خون پسینے سے کمائی ہوئی روزی میں برکت بھی ہوتی ہے اور اسے خرچ کرتے وقت بھی احساس کی ہتھکڑی جکڑے رکھتی ہے دروازے پر لگی زنجیر کو چند بار کھٹکھٹانے سے اندر آہٹ ہوئی کوئی سلیپر پہنے بہت آہستگی سے چل رہا تھا دروازہ کھلا اور میرے سامنے ہڈیوں کے لباس میں ملبوس زرد رنگ کا ویران چہرہ لئے بکھرے ہوئے کھچڑی بالوں والا ایک شخص کھڑا تھا اس نے اپنی اکھڑی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے ایک لمبی سے سانس بھری اور ایک ہاتھ دیوار پر رکھ کر سر اوپر اٹھایا... اس کے چہرے پر ہلکی مردہ سے مسکراہٹ

آئی۔ ''اوئے بسم اللہ کراں! یہ تو میرا یار آیا بڑی مدتوں کے بعد!'' لہجہ وہی تھا مگر آواز میں وہ کھنک نہ تھی۔ دیکھ کر تعجب ہوا اور افسوس زیادہ ہوا کہ وہ میرا ہم عمر ہونے کے باوجود مجھے سے بیس سال بوڑھا لگتا تھا مگر متحیر نہ تھا کہ یہ فرومانگی کسی کسمپرسی، غربت یا مالی عسرت کا موجب نہ تھا نشہ کی لت نے اسے اس حال تک پہنچا دیا تھا۔ یہ دو کمروں کا مکان ایک چھوٹا سا برآمدہ اور صحن اڑھائی مرلے میں بنا ہوا مکان بھی کنیز کی ملکیت تھی۔ ''یار تم نہیں سمجھتے'' اس نے پائپ کی بنی ہوئی چارپائی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا ''میں ایک سیاسی پارٹی کا خاص کارندہ ہوں اب بھی کسی جگہ ان کے مخالفین کا جلسہ جلوس ہو تو وہ مجھے بلاتے ہیں بس میں اپنے آدمیوں کے ذریعے فوراً ان کے خلاف کئے جانے والے جلسے جلوس کو ناکام بنا دیتا ہوں اور اسی شام نوٹوں کے بھرے ہوئے ایک دو بیگ میرے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ ایمان سے اب بھی اندر جا کر دیکھو ایک آدھ بیگ نوٹوں کا بھرا ہوا کمرے میں پڑا ہوگا۔... اوئے یار! تم نہیں سمجھتے۔ ساری عمر اس ملک سے باہر رہے ہو نا۔...

ادھر بڑا محتاط ہو کر رہنا پڑتا ہے میں آج چاہوں تو یہاں کیا اسلام آباد ایک عالی شان کوٹھی خرید سکتا ہوں۔ وہ سیاسی جماعت ہے نا... وہی خرید کے دے دے یہ مکان بھی تو اسی نے بنوا کر دیا ہے... بس یہ بھی ایک حکمت عملی ہے... میرے جیسے لوگ اخباروں اور ٹیکس والوں کی نظر میں آجائیں تو پھر اپنا دھندہ نہیں چلتا۔'' ''وہ میری بھابھی سے تو ملاؤ یار... کہاں ہے وہ؟'' میں نے گھر میں نظر گھمائی جہاں غربت کا رنگ نمایاں تھا۔ مگر اس کی لاف زنی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس کی گوشہ نشینی کا سبب بھی وہ نشہ تھا جس نے اسے کسی کام کا نہ رکھا اور پھر اس عورت کا سہارا لیا جو اس کے زمانہ عروج کی داشتہ تھی ''وہ آج محلے میں کسی بچے کی سالگرہ پارٹی پر گئی ہے۔ کیا کرے وہ بھی میں اپنے دھندوں میں مصروف رہتا ہوں اور وہ بیچاری گھر بیٹھی بور ہوتی میں لہٰذا وہ محلے کے کچھ بچوں کو للہ قرآن پڑھاتی ہے آج انہی میں سے ایک بچے کے گھر گئی ہے... یار غریب لوگ یہاں رہتے ہیں ان کی ذرا امداد ہو جائے تو وہ دعا ہی دیں گے ہم نے بھی بہت گناہ کئے ہیں اسی بہانے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے گا'' میں نے جاتے وقت ایک ہزار روپے کا نوٹ اس کے سرہانے رکھا تو ناراض ہونے لگا ''اوئے یارا شرمندہ نہ کرا سے اٹھا لے... اوئے قسم سے ایسے نوٹوں کے بیگ بھرے چھوڑ جاتے ہیں لوگ... جا... جا کر اندر دیکھ...'' میں نے اصرار کیا تمہاری شادی میں موجود نہ تھا اور پھر اتنی مدت بعد تمہارے گھر آیا ملنے رواجاً کچھ تو لانا تھا جو نہ لا سکا لہٰذا ان سب رسموں کو پورا کرتے ہوئے یہ قبول کر لو۔ کنیز کے آنے تک وہ روکنا چاہ رہا تھا اس سے ملنے کا شوق تھا مگر تین گھنٹے بیٹھ کر نا اُمید ہو کر پھر کبھی آنے کا جھوٹا وعدہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوا... گلی میں بدبو سے بہتے ہوئے پانی سے پاؤں بچاتا ہوا کوٹھیوں والی گلی میں داخل ہوا تو گلی کے کونے والے بڑی سی کوٹھی کا آہنی گیٹ کھلا جس میں سے ایک سانولے تیکھے سے نقوش والی پکی سی عمر والی کالے رنگ کی بوسیدہ چادر لپیٹے ایک عورت باہر نکلی اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا ڈبہ تھا جس کے کناروں پر سے سالن کی چکنائی بہہ رہی تھی اور اسی ہاتھ کی دو اُنگلیوں میں لٹکا ہوا شاپر جس میں روٹیاں بھری ہوئی تھیں۔ ابھی اس نے آہنی گیٹ بند تھا کہ عقب سے آواز آئی ''اے کنیز... ذرا رُک جانا'' میں ٹھٹھک گیا اور چونک کر اسے دیکھا اتنے میں کوٹھی سے آواز دینے والی عورت نے باہر جھانکا اور کنیز سے کہا ''دیکھو کل ذرا جلدی آجانا کہ مہمان زیادہ ہوں گے تم کچن میں بھی کچھ مدد دینا اور پھر مہمان رُخصت ہونے کے بعد سارا کام ختم کر کے ہی گھر جانا شاید کچھ دیر بھی ہو جائے۔'' ''مگر آپا جی وہ میرا میاں بے چارہ بھوکا ہی پڑا رہے گا تب تک...'' کنیز نے لجاجت سے کہا ''اے۔... وہ جہاز نہیں مرتا بھوک سے...'' کوٹھی کی مالکن نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ''ایک پڑیا فالتو دے آنا اسے خرید کر... پڑا رہے گا شام تک... اور کام بھی کیا ہے اس کا... جا... بہت کام ہوگا کل... ذرا جلدی آجانا...'' اور بڑبڑاتی ہوئی گیٹ بند کر کے اندر چلی گئی۔ ***

لئیق عابد

چھپا رکھے تھے دل عشاق نے گہرے دفینوں میں
نہ جانے کس طرح چرچا ہوا اُس کا حسینوں میں
ڈسیں گے یہ تو ہر حالت میں آخر سانپ جو ٹھہرے
تمہیں کس نے کہا تھا ان کو پالو آستینوں میں
شفق رنگ کیوں ہوئی گندم خبر کیا اہلِ ثروت کو
لہو بھی ساتھ بہتا ہے کسانوں کے پسینوں میں
وہ دیکھو عشق کی اک جست پہنچی آسمانوں پر
مگر اہلِ خرد اب تک بھٹکتے ہیں زمینوں میں

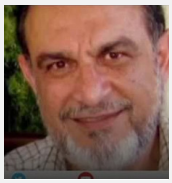

لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز

لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز 37 برس پاک فوج کا حصہ رہے، یہ تین فٹبول سے فوجی ہیں، ان کے والد بھی فوج میں تھے، وہ بریگیڈیئر کے عہدے تک پہنچے، جنرل شاہد عزیز نے 1971ء کی جنگ لڑی، یہ سیکنڈ لیفٹیننٹ سے تھری سٹار جنرل تک پاک فوج کے پورے کمانڈ سسٹم کا حصہ رہے، یہ ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز بھی رہے، چیف آف جنرل سٹاف بھی، لاہور کے کور کمانڈر بھی اور ریٹائرمنٹ کے بعد دو سال کیلئے چیئرمین نیب بھی۔ یہ جنرل پرویز مشرف کے رشتے دار بھی ہیں، پاک فوج میں اس وقت ان کی تیسری نسل خدمات سرانجام دے رہی ہے، ان کے صاحبزادے بھی پاک فوج میں ہیں، جنرل شاہد عزیز نے ریٹائرمنٹ کے بعد ''یہ خاموشی کہاں تک'' کے نام سے اپنی آٹو بائیوگرافی لکھی، میں نے گزشتہ ہفتے یہ کتاب ختم کی، جنرل شاہد عزیز کی یہ کتاب خاصی متنازعہ تھی، کتاب کی اشاعت کے بعد جنرل مشرف، ان کے ساتھیوں اور فوج کے چند حاضر سروس اور ریٹائرڈ عہدیداروں نے جنرل شاہد عزیز کو آڑے ہاتھوں بھی لیا، اس کتاب کو فوج کے خلاف سازش بھی قرار دیا اور جنرل شاہد عزیز کے کورٹ مارشل کا مطالبہ بھی کیا، ان دنوں جنرل شاہد عزیز کے ایک انٹرویو نے بھی تہلکہ مچایا لیکن سچی بات ہے میں نے جب یہ کتاب پڑھی تو مجھے اس میں کوئی برائی، خرابی یا سازش نظر نہیں آئی، یہ ایک دھڑکتے دل اور قوم سے شرمندہ ایک ایسے جنرل کی آپ بیتی ہے جس نے مکمل جرأت کے ساتھ اپنی، اپنے ادارے اور اپنے ساتھیوں کی غلطیوں اور زیادتیوں کا اعتراف کیا، جنرل شاہد نے فوج، حکومت اور سیاستدانوں کی کشتیوں میں موجود ان تمام سوراخوں کی بھی کھل کر نشاندہی کی جن کو ہم کبھی صابن، کبھی گوند اور کبھی کاغذ لگا کر بند کرتے ہیں اور کبھی قالین، دری یا جائے نماز کے نیچے چھپا دیتے ہیں مگر انہیں مستقل بند نہیں کرتے۔

یہ کتاب منافقت پر مبنی نظام کا ایک مکمل تجزیہ بھی ہے اور ایک ایسے شخص کا اعتراف جرم بھی جو 39 برس تک اس نظام کا حصہ رہا، ہم جنرل شاہد عزیز کے خیالات اور انکشافات سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن ہم انہیں یکسر مسترد نہیں کر سکتے کیونکہ جب دُھواں اور آگ دونوں موجود ہوں تو پھر زیادہ سے زیادہ یہ بحث کی جا سکتی ہے، یہ آگ لگائی کس نے تھی یا اُسے بجھانے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے لیکن آگ اور دھوئیں کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ حقیقت ہے سیاستدان ہوں، حکومت ہو یا پھر فوج ہو ملک کے تمام اداروں میں دُھواں بھی ہے اور آگ بھی۔ میرا ذاتی خیال ہے فوج، حکومت اور سیاستدان اگر اس کتاب کو سسٹم کے بارے میں تحقیقاتی مکالمہ سمجھ لیں اور اسے پڑھ کر ۷۰ سال سے جاری غلطیوں کی اصلاح کر لیں تو کم از کم ڈھلوان پر جاری سفر ضرور رُک سکتا ہے، ہم مزید پھسلنے سے ضرور بچ سکتے ہیں۔

جنرل شاہد عزیز نے انکشاف کیا، جنرل پرویز مشرف 12 اکتوبر 1999ء سے قبل میاں نواز شریف کی حکومت کو فارغ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے، جنرل شاہد عزیز اس وقت ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز تھے' جنرل مشرف نے سری لنکا جانے سے قبل 10 کور کمانڈرز جنرل محمود' سی جی ایس جنرل عزیز خان اور ڈی جی ایم او یعنی انہیں یہ ذمہ داری سونپ دی تھی' ڈی جی ایم آئی میجر جنرل احسان الحق اور ڈی جی آئی ایس پی آر بریگیڈیئر راشد قریشی بھی اس آپریشن کا حصہ تھے' جنرل مشرف کو اس معاملے میں کور کمانڈر پشاور جنرل سعید الظفر پر اعتماد نہیں تھا' میاں نواز شریف کو برطرف کرنے' پی ٹی وی اسلام آباد پر قبضے اور جنرل پرویز مشرف کو کراچی میں بحفاظت اُتارنے کے پورے آپریشن کی نگرانی جنرل شاہد عزیز نے خود کی' جنرل شاہد عزیز نے اعتراف کیا' ہم اسے انقلاب سمجھ رہے تھے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ہم سب کا دل ٹوٹتا گیا یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا جب وہ فوجی وردی جو قوم کا پرائیڈ تھی وہ صرف دفتروں میں پہنی جانے لگی' افسر گھر سے سادہ کپڑوں میں نکلتے اور دفتر میں وردی پہن لیتے تھے، جنرل شاہد عزیز نے انکشاف کیا' فوج چوہدریوں کے خلاف تھی، یہ ان کا جنرل مشرف سے گٹھ جوڑ نہیں چاہتی تھی لیکن مشرف نے فوج کی بات نہیں مانی، جنرل مشرف نے 31 جنوری 2002ء کو کور کمانڈرز کی میٹنگ میں اعلان کیا، ہم پاکستان مسلم لیگ ق کی مدد کریں گے، پیپلز پارٹی کو توڑیں گے اور ن لیگ کو کمزور کریں گے، جنرل مشرف نے 2002ء کے الیکشنز میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کیلئے بہت کچھ کیا، ووٹرز تک کی عمر 21 سال سے 18 سال کر دی گئی، جنرل شاہد نے انکشاف کیا، جنرل مشرف سیاسی فیصلوں میں فوج کو اعتماد میں نہیں لیتے تھے' فوج میاں برادران کے جلاوطنی کے معاہدے تک سے واقف نہیں تھی، مجھے جب چیئرمین نیب بنایا گیا تو جنرل مشرف نے مجھے کہا' تم فیصل صالح حیات کے مقدموں کو نہ چھیڑنا، مجھے حکومت کی سیاسی مجبوریاں بتا کر دوسرے سیاستدانوں کی فائلیں کھولنے سے بھی روک دیا گیا، مجھے 2007ء میں طارق عزیز نے بلا کر صدر مشرف کا حکم سنایا'' بے نظیر بھٹو کے تمام مقدمات بند کر دیئے جائیں'' میں نے تعاون نہ کیا تو چیئرمین کے اختیارات دو ڈپٹی چیئرمینوں میجر جنرل محمد صدیق اور حسن وسیم افضل میں بانٹ دیئے گئے، بے نظیر اور آصف علی زرداری کے مقدمات

حسن وسیم افضل کے حوالے کر دیئے گئے، میں نے فیڈ بیک جاری رکھا تو حسن وسیم افضل کے دفتر کو لاہور شفٹ کر دیا گیا، جنرل شاہد عزیز نے انکشاف کیا، میں نے کور کمانڈر لاہور کی حیثیت سے ڈی ایچ اے لاہور کے معاملات پر کمیشن بنایا، کمیشن کی رپورٹ صدر کو بھجوائی لیکن صدر نے اربوں روپے کی کرپشن دبا دی، میں چیئرمین نیب تھا تو میں نے پٹرول کی درآمد میں 81 ارب روپے کی کرپشن پکڑی لیکن وزیراعظم شوکت عزیز اور صدر مشرف نے یہ معاملہ بھی دبا دیا، صدر اور وزیراعظم چینی مافیا کے خلاف بھی کارروائی نہیں کرنے دیتے تھے، میں نے جب اپنی کوششیں جاری رکھیں تو مجھے استعفیٰ دینے کا مشورہ دیا گیا، چیف جسٹس کا ایشو بن چکا تھا، میں اس دوران حکومت کی مشکلات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے دو ماہ کی چھٹی لی اور چپ چاپ گھر بیٹھ گیا۔ جنرل شاہد عزیز کی پوری کتاب انکشافات کا خزانہ ہے لیکن دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جنرل پرویز مشرف کے کردار سے متعلق حصہ چشم کشا ہے، ہم اگر خطے میں امریکہ کے ظالمانہ کردار کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ''یہ خاموشی کہاں تک'' کے وہ حصے ضرور پڑھنے چاہئیں' جنرل شاہد عزیز نے انکشاف کیا' جنرل مشرف امریکہ کے ساتھ معاملات کو انتہائی خفیہ رکھتے تھے' جنرل شاہد عزیز اس وقت چیف آف جنرل سٹاف تھے اور جنرل یوسف وائس چیف' یہ دونوں فوج کے مکمل کرتا دھرتا تھے لیکن یہ دونوں بھی زیادہ تر معاملات سے ناواقف ہوتے تھے' یہ ریٹائرمنٹ کے بعد 2005ء میں گوادر گئے تو انہیں وہاں معلوم ہوا' امریکا نے نومبر 2001ء میں گوادر اور جیوانی میں اپنی نیوی بھی اُتاری تھی' بھاری ہتھیار بھی اور جوان بھی۔ امریکی فوج بعد ازاں بلوچستان کے راستے افغانستان گئی' گوادر میں 2005ء میں بھی امریکی مورچے موجود تھے۔ ''میں 2001ء میں سی جی ایس تھا' مجھے اس کارروائی کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا' میں نے جنرل یوسف سے رابطہ کر کے پوچھا' وہ بھی ناواقف تھے گویا یہ کارروائی فوج کے دونوں اعلیٰ ترین عہدے داروں سے خفیہ رکھی گئی تھی'' جنرل مشرف نے جیکب آباد' شمسی' ژوب اور دالبندین کے ہوائی اڈے بھی چپ چاپ امریکہ کے حوالے کر دیئے اور ان معاملات میں بھی فوج سے غلط بیانی کی گئی۔ پاک فوج کے دستے جب سیکورٹی فراہم کرنے کیلئے ان ہوائی اڈوں پر گئے تو امریکی فوجیوں نے انہیں اندر داخل نہیں ہونے دیا' ان اڈوں پر امریکی سی آئی اے قابض ہو چکی تھی' جنرل شاہد عزیز نے انکشاف کیا' امریکی ساز و سامان این ایل سی کے ٹرالرز کے ذریعے بھی افغانستان پہنچایا گیا' جنرل شاہد نے انکشاف کیا' امریکا نے ایک گہری سازش کے ذریعے پاک فوج اور مجاہدین کو آپس میں لڑایا' امریکی افغانستان کی جنگ کو پاکستان تک پھیلانا چاہتے تھے' امریکا نے پہلے افغانستان کے مختلف حصوں میں موجود طالبان کو پاکستانی سرحد کے قریب تورا بورا میں جمع کیا اور پھر بمباری شروع کر دی' یہ لوگ بھاگ کر پاکستان آ گئے' پاکستان کے ساتھ ان کا کوئی اختلاف نہیں تھا' یہ لوگ جب پاکستان میں داخل ہوئے تو میں نے جنرل یوسف کے آفس میں سیٹ کام کے چیف جنرل ٹونی فرینکس سے پوچھا' آپ جب طالبان کو پاکستانی سرحد کے قریب اکٹھا کر رہے تھے تو آپ نے ہمیں اعتماد میں کیوں نہیں لیا' جنرل کا جواب تھا' یہ ہماری کوتاہی ہے لیکن یہ کوتاہی نہیں تھی' امریکا نے جان بوجھ کر اپنے دشمنوں کو پاکستان میں پھیلا دیا تاکہ پاکستان بھی مکمل طور پر افغان جنگ کا حصہ بن جائے' امریکا نے اس کے بعد ہم پر فاٹا میں فوج بھجوانے کیلئے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا' ہمیں غیر ملکی مجاہدین کو گرفتار کرنے کا ٹاسک بھی دیا گیا' ہم نے کوہاٹ کی جیل خالی کی اور 80 عرب باشندوں کو وہاں بند کر دیا' کابل پر قبضے کے بعد امریکا نے بھارت کیلئے دروازے کھول دیئے' انڈیا نے وہاں ٹھکانے بنا لئے' امریکیوں نے 110 پاکستانی بھی بھارت کے حوالے کر دیے۔

یہ لوگ انہیں انڈیا لے گئے اور اس کے بعد ان کی کوئی خبر نہیں آئی' امریکہ نے گیارہ سو پاکستانی ہمارے حوالے کئے اور ہم نے انہیں 232 غیر ملکی مجاہدین دیئے۔ جنرل شاہد عزیز نے انکشاف کیا' 26 جنوری 2002ء کو پچاس جوانوں کی ایک پلٹن نے چار امریکیوں کے ساتھ قبائلی علاقے میں غیر ملکی مجاہدین کی تلاش میں ایک گھر کے دروازے پر دستک دی' گھر کا مالک باہر نکلا تو اسے بتایا گیا' تمہارے گھر کی تلاشی ہو گی' وہ گھر کی خواتین کو پردہ کرانے کیلئے اندر گیا لیکن واپس نہ آیا' جوان اندر داخل ہوئے تو گھر میں مجاہدین موجود تھے' مجاہدین نے فائرنگ شروع کر دی' کارروائی میں شامل ایک افسر نے اس آپریشن کی باقاعدہ فلم بنائی' رات دس بجے تک فائرنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ لوگ جوانوں کا گھیرا توڑ کر فرار ہو گئے' یہ فائرنگ پاکستان میں فوج اور مجاہدین کی پہلی لڑائی تھی' یہ لڑائی پھر اس کے بعد رُکی نہیں' پاکستان اس کے بعد میدان جنگ بن گیا۔

مجھے جنرل شاہد عزیز کی کتاب پڑھ کر اندازہ ہوا' دہشت گردی کے خلاف جنگ ہماری جنگ نہیں تھی' یہ امریکا اور جنرل پرویز مشرف کی جنگ تھی اور ایک طویل عمل کے ذریعے اسے پاکستان کی جنگ بنا دیا گیا' یہ پرائی جنگ اب تک ہمارے 60 ہزار سویلین اور 7 ہزار جوانوں کو نگل چکی ہے' یہ جنگ روز کیپٹن اسفندر یار جیسے کسی نہ کسی افسر کا خون پیتی ہے لیکن اس کے باوجود آج تک اس جنگ کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہوئی' کسی نے کوئی مقالہ نہیں لکھا' کیوں؟ اتنی خاموشی کیوں ہے؟ یہ سناٹا کب تک چلے گا؟ یہ خاموشی کب تک' آخر کب تک۔!!

***

پی ایم اے اور آنچل کے زیر اہتمام غازی میڈیکل کالج ڈیرہ غازیخان میں یادگار محفل مشاعرہ

رپورٹ: سلمیٰ شاہین
جنرل سیکرٹری آنچل

ادبی تنظیم آنچل (رجسٹرڈ)، پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن (پی ایم اے) ڈیرہ غازیخان اور غازی خان میڈیکل کالج کے زیر اہتمام ڈیرہ غازیخان کی تاریخ میں مدتوں بعد ایک شاندار مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ ادبی تنظیم آنچل کو ڈیرہ غازیخان کی خواتین کی پہلی ادبی تنظیم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آنچل کا قیام اکتوبر 2012ء میں عمل میں آیا۔ اس کی بانی اور صدر ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ نے اس پلیٹ فارم سے متعدد ادبی تقریبات کا اہتمام کیا۔ آنچل کے ذریعے متعدد خواتین شاعرات اور ادیب متعارف ہوئیں اور ڈیرہ غازیخان کے حبس زدہ اور گھٹے ہوئے ماحول میں خواتین کو شعر و سخن کے ایک خوشگوار ماحول میں بیٹھ کر اپنی پہچان کرانے کا موقع ملا۔ تنقید و تحسین کے عمل سے گزرنے کے بعد انہیں اپنے شعری ارتقاء کے مواقع بھی ملے۔ غازیخان میڈیکل کالج اور پی ایم اے نے جب میڈیکل کانفرنس کے موقع پر ایک مشاعرے کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو انہوں نے خواتین کی ادبی تنظیم آنچل کو بھی میزبانوں میں شامل کیا تاکہ بڑے پیمانے پر ایک تاریخ ساز مشاعرہ منعقد کیا جا سکے۔

اس کیلئے تنظیم آنچل کی روح رواں ڈاکٹر نجمہ شاہین نے امجد اسلام امجد سمیت ملک بھر سے نامور شعراء کو مدعو کیا۔ میڈیکل کالج کے اوپن ایئر میں ہونے والی اس شعر و سخن کی محفل کی صدارت نامور شاعر امجد اسلام امجد نے کی جبکہ مہمان خصوصی زاہد فخری اور رضی الدین رضی تھے۔ مہمان اعزاز کے طور پر شاکر حسین شاکر اور شوکت فہمی کو مدعو کیا گیا تھا۔ تقریب میں جن شعراء نے اپنا کلام پیش کیا ان میں مہمانوں کے علاوہ کوٹ ادو سے پروفیسر عمران میر اور مقامی شعراء میں مصطفی خادم، نیئر رانی شفق، بشریٰ قریشی، ایمان قیصرانی، ڈاکٹر شاہینہ نجیب کھوسہ، شیراز غفور، محبوب جھنگوی، سعیدہ افضل، عزیز شاہد، پروفیسر شریف اشرف اور سلیم فراز شامل ہیں۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر نجمہ شاہین اور ڈاکٹر عبدالرحمن عامر قیصرانی نے انجام دیئے۔ یہ تقریب رات گئے تک جاری رہی۔ مشاعرے میں پڑھے گئے کلام سے چند منتخب اشعار۔

امجد اسلام امجد

وہ جو گیت تم نے سنا نہیں مری عمر بھر کا ریاض تھا
مرے درد کی تھی وہ داستاں جسے تم ہنسی میں اُڑا گئے

زاہد فخری

اُٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ہارا بدن اپنا
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کندھا نہیں دیتا

رضی الدین رضی

ہمارے ساتھ کیا کیا جھیلتا وہ
بچھڑ کر کتنا اچھا رہ گیا ہے

شوکت فہمی

وہ ضرورت تھی یا محبت تھی
بیل لپٹی رہی درخت کے ساتھ

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

زخموں سے کہاں لفظوں سے ماری گئی ہوں میں
جیون کے چاک سے یوں اُتاری گئی ہوں میں

شاکر حسین شاکر

وہ چاندنی میں نکلتا ہے میرے گھر کی طرف
سو چاند ڈھلنے تلک جاگنا ضروری ہے

محبوب جھنکوی

شان قدرت کمال تیرا خیال
رحمت ذوالجلال تیرا خیال

ڈاکٹر شاہینہ نجیب کھوسہ

ستم تمھارے کوئی اور سہہ سکے گا کیا
تو کیسا شخص ہے آنے کا سوچتا بھی نہیں

پروفیسر عمران میر

یہی بہت ہے کہ رائیگانی میں آ گیا ہوں
میں دشت حیرت کی سائبانی میں آ گیا ہوں

سلیم فراز

بات تو کرتا ہوں میں بھی شعر میں تاثیر کی
پیروی ممکن نہیں لیکن غزل میں میر کی

پروفیسر شریف اشرف

موسم نکھرا نکھرا سا ہے دل بھی کھل کر برسا ہوگا
میں بھی تنہا تنہا سا ہوں وہ بھی تنہا تنہا ہوگا

سعیدہ افضل

کچا میرا مکان تھا بارش نے آلیا
سیلاب امتحان تھا بارش نے آلیا

ڈاکٹر سید محمد علی

تمہارا شکریہ مہماں میرے ارماں سجانے کو
سفر پتھر پہ طے کرکے چلے آئے ہمارے گھر

عزیز شاہد

نہ رنگ رُوپ نہ رُخسار لب تماشا ہے
اساں فقیری دی اپنی طلب تماشا ہے

تقریب کے آخر میں پرنسپل ڈیرہ غازیخان اور صدر پی ایم اے نے آنچل کی صدر ڈاکٹر نجمہ شاہین کا اس خوبصورت تقریب کے انعقاد پر شکریہ ادا کیا۔ خطبہ صدارت میں جناب امجد اسلام امجد نے بھی کیف انصاری اور محسن نقوی کے شہر میں ادبی روایات کے ارتقاء کو سراہا اور ڈاکٹر نجمہ سمیت تقریب کے تمام منتظمین کو مبارکباد پیش کی۔

***

افواج سے متعلق سیاستدانوں کا مسئلہ

ایاز میر

فوج ایک طاقتور ادارہ ہے۔ اُس کا اثر ہر اُمور میں کسی نہ کسی حوالے سے ہونا ہی ہے۔ لیکن مسئلہ زیادہ گمبھیر تب ہو جاتا ہے جب سیاسی ادارے کم عقلی کا مظاہرہ کریں' اور اُن کا دامن بھی صاف نہ ہو۔ کرپشن کے الزامات میں آپ گھرے ہوں۔ طرح طرح کی کہانیاں آپ کے بارے میں گردش کر رہی ہوں۔ ایسی صورت میں جرنیلوں سے آپ خاک اعتماد سے بات کر سکیں گے۔ سویلین بالا دستی کی بات کرنا آسان ہے۔ سیاستدان محل بے محل آئینی شقوں اور تقاضوں کا حوالہ دیتے رہتے ہیں' لیکن کون سا آئین آپ کی بات میں وزن پیدا کرے گا' اگر کسی زیر بحث موضوع کا آپ کو صحیح ادراک ہی نہ ہو؟ مثال کے طور پہ فوجی کمان اور سویلین حکومت کے درمیان افغانستان پہ گفتگو ہو رہی ہے۔ آپ کو افغانستان کا صحیح طور پہ جغرافیہ ہی معلوم نہ ہو۔ مناسب مطالعہ کی آپ نے کوشش نہ کی ہو، بس عمومی فقروں سے زوردار تقریر فرما رہے ہوں۔ اس کے برعکس افواج کے لوگ پوری تیاری سے آئے ہوں، مسئلے کی باریکیوں پہ اُن کا نسبتاً عبور زیادہ ہو، تو پلڑا کس کا بھاری رہے گا؟ میں پیپلز پارٹی اور نون لیگ' دونوں کا حصہ رہا ہوں۔ تجربے کی بنیاد پہ کہتا ہوں کہ مجال ہے کہ کسی پارٹی میٹنگ میں پیچیدہ قومی یا فارن پالیسی کے کسی مسئلے پہ سنجیدہ گفتگو ہوئی ہو۔ پیپلز پارٹی میں تھا تو بینظیر بھٹو اور بھٹو خاندان کی تعریفوں کے پُل باندھے جاتے۔ ایک دفعہ 70 کلفٹن میں یوں ہوا کہ بینظیر بھٹو تشریف لائیں' اور کہنے لگیں کہ میں آج بہت خوش ہوں۔ میں نے وجہ پوچھی۔ بتایا کہ آج میری سالگرہ ہے اور پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی نے مجھے بطور برتھ ڈے گفٹ پارٹی کا تاحیات چیئرپرسن نامزد کر دیا ہے۔ مجھے صحیح یاد رہے تو تاحیات چیئرمینی کی تجویز میرے دوست افضل سندھو کی طرف سے آئی تھی۔

نون لیگ کے اجلاسوں کا حال اِس سے بھی زیادہ مزاحیہ ہوا کرتا تھا۔ پارٹی اجلاسوں میں میاں نواز شریف کو قائدِ محترم کہہ کے مخاطب کیا جاتا۔ پہلے سے تیار فنکار ہوتے' جن کی طرف میاں صاحب کی اُنگلی اُٹھتی۔ ان فنکاروں میں نہال ہاشمی لازماً ہوتے۔ خوشامد کی ایسی چوٹیاں سَر کی جاتیں کہ انسان حیران رہ جاتا۔ پہلا جملہ یہ ہوتا کہ قائدِ محترم اس ملک کے اٹھارہ کروڑ عوام (تب ہماری آبادی یہی تھی) آپ کے منتظر ہیں اور پھر مزید اس قسم کی گفتگو ہوتی۔ ایک میٹنگ مجھے یاد ہے' جو لاہور 90 شاہراہ قائداعظم پہ ہوئی۔ بات نون لیگ کی عوامی مقبولیت کی ہو رہی تھی۔ ایک دو حاضرینِ مجلس نے دانشورانہ گفتگو شروع کرنے کی کوشش کی۔ ایک اور صاحب نے' جو آج کل وفاقی کابینہ میں ہیں' نے بات کاٹتے ہوئے فرمایا کہ قائدِ محترم' نون لیگ کے سارے ووٹ آپ کی ذات سے جڑے ہوئے ہیں' ہم اُن ووٹوں کے صرف مجاور ہیں۔ میاں صاحب کے منہ پہ خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دانشورانہ بحث وہیں پہ ختم ہوگئی۔ یہ بات نہیں کہ افواج میں چاپلوسی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے اس واضح قسم کا مکھن نہیں لگایا جاتا۔

کور کمانڈرز کانفرنس میں سنجیدہ گفتگو کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہاں کور کمانڈرز اپنی معروضات ایسے جملوں سے شروع نہیں کرتے کہ جنابِ جنرل باجوہ! آپ کا مقام فیلڈ مارشل رُومیل اور منٹگمری سے اُونچا ہے اور آپ کا باجوہ ڈاکٹرائن جیسا دانشورانہ تحفہ ملٹری تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ فوج میں تابعداری ہے، کئی اونچی پوزیشنوں پہ پہنچنے والے خوشامد کے ماہر ہوتے ہیں' لیکن جو حال سیاسی پارٹیوں کا ہے وہ بہرحال افواج کا نہیں۔ سلیقے اور ڈھنگ سے بات کی جاتی ہے۔ پھر سیاست دان کہتے ہیں کہ فوج بالا دست ہوگئی۔ ہماری نہیں سُنی جاتی، فوجی اپنی منواتے ہیں۔ کچھ اپنے طور طریقے تو بدل لیں۔ پارٹیوں کا اندرونی کلچر تو بہتر ہو جائے۔ خوشامد کی مقدار میں تھوڑی سی کمی آ جائے۔ فوجیوں کی ٹریننگ ہوتی رہتی ہے۔ مختلف کورسز اُنہیں کرنے پڑتے ہیں۔ سٹاف کالج کوئٹہ نہ جا سکیں تو اُونچی پروموشن کی راہ بلاک ہو جاتی ہے۔ جرنیل بننے کیلئے نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی کا کورس اچھے نمبروں سے پاس کرنا لازمی ہوتا ہے۔ سیاست دان کسی سٹاف کالج میں نہیں جاتے۔ سیاست کا میدان ہی اُن کی نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی ہوتی ہے۔ لیکن تاریخِ عالم دیکھ لی جائے، جو سیاست کی اُونچائیوں پہ پہنچتے ہیں وہ اپنی تعلیم خود کرتے ہیں۔ جو بڑے نام تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں' وہ بیشتر سیلف ایجوکیٹڈ (Self-Educated) ہوتے ہیں۔ کتابوں کے بغیر اُن کا وجود ناممکن ہوتا

ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ روایت رہی ہے۔ چوٹی کے سیاستدان کتابوں اور مطالعے کا شوق رکھتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی لائبریری پہ ناز تھا۔ کوئی نئی کتاب مارکیٹ میں آتی تھی تو کراچی صدر میں ٹامسن اینڈ سنز نام کے کتب خانے کو ہدایات تھیں کہ اُن تک ضرور پہنچائی جائے۔ یہی حال سردار شیر باز مزاری کا تھا۔ کراچی میں اُن کی لائبریری جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا شاندار ماحول تھا، اُوپر نیچے کتابیں اور اصلی چمڑے کے شاندار صوفے بیٹھنے کو تھے۔ گزرے دنوں میں مرحوم میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کی لائبریری مشہور تھی۔ مشرقی اور مغربی کلاسیکی موسیقی کے بھی دلدادہ تھے۔ اب نہ اُن کا لاہور سینٹ میری سکول کے متصل گھر رہا اور نہ وہ کُتب اور موسیقی کا ذخیرہ۔ افواج پہ سبقت زور سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ بندوق اور توپ و تفنگ تو افواج کے پاس ہوتے ہیں۔ سیاست کے اوّلین ہتھیار فکر اور دانش ہیں۔ لیکن جب اِنہی چیزوں کا مکمل فقدان ہو تو سیاست عسکری میدان پہ کیا سبقت حاصل کر سکتی ہے۔ مزید برآں جب سیاست کا نعرہ و منشور یہ رہ جائے کہ جس طرح ممکن ہو مال بناؤ اور عزت و وقار اُسی میں ہے تو جرنیلوں پہ رُعب کیسے جھاڑا جا سکتا ہے؟ جب آپ پہ فائلیں کھلی ہوں اور اُن فائلوں میں آپ کے تمام کارناموں کا تفصیلاً ذکر موجود ہو تو کاغذوں میں درج آئینی بالادستی کی شقوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ قائداعظم کے پاس تو پستول کا لائسنس بھی نہیں تھا۔ بات کرتے تو بڑے سے بڑے جاگیردار اور نواب سہم جاتے۔ جلسوں میں انگریزی میں تقریر کرتے تو سامعین بات نہ سمجھتے ہوئے بھی ہمہ تن گوش رہتے۔ یہ عظمت کردار کی بدولت تھی۔ لیکن اگر قائداعظم کے بارے میں یہ عام ہوتا کہ باہر جائیدادیں بنائی ہوئی ہیں، دُروغ گوئی میں اُن کا کوئی ثانی نہیں، قطری خطوط لہراتے کہ میری دولت وہاں سے آئی ہے، تو اُن کی بات کون سُنتا؟ اُن کو کوئی قائداعظم کہتا؟ جب وہ فوجی افسروں سے مخاطب ہوتے اور اُنگلی ہلاتے' کہتے کہ آپ کا کام ملک کا دفاع ہے اور اِس سے زیادہ کچھ نہیں تو اُن کی بات ذہنوں میں اُتر جاتی۔ اُس اعتماد سے آج کل کے سیاسی لیڈران بات کر سکتے ہیں؟ پاکستان میں افواج نے پاکستانی سیاست کو برباد نہیں کیا۔ پاکستانی سیاست نے اپنا مقام پہلے خود گرایا اور فوج کی بالادستی بعد میں قائم ہوئی۔ گورنر جنرل غلام محمد اور سکندر مرزا سیاست کے علمبردار تھے۔ اُنہوں نے وہ کچھ کیا جس سے سیاست بے توقیر ہو کے رہ گئی۔ کس حکیم لقمان نے یہ نسخہ دیا تھا کہ جنرل ایوب خان کو پہلے چار سال کیلئے اور پھر مزید چار سال کیلئے فوج کا کمانڈر اِن چیف بیٹھائے رکھیں؟ مدتِ ملازمت میں توسیع ایوب خان نے بندوق کے زُور پہ نہ لی۔ سویلین وزیراعظموں نے اُنہیں یہ عطا کی۔ فوج نے بہت غلطیاں کیں۔ بہت غلط فیصلے کیے لیکن یہ بھی ماننا چاہیے کہ حالیہ سالوں میں ملک کی بقا اور سلامتی کی ضامن افواج کے جوان اور نوجوان افسران رہے ہیں۔ اُن کے خون کی قربانی سے حالات سنبھلے ہیں' نہیں تو افغانستان سے بھاگی القاعدہ کی قیادت نے اب تک پاکستان کو برباد کر دیا ہوتا۔ ماضی کی غلطیوں کا اَزالہ افواج نے اپنے خون سے کیا ہے۔ سیاستدانوں نے اپنی غلطیوں کا اَزالہ کیا کیا ہے؟

***

آرتھر آشے وقار عظیم

آرتھر آشے امریکہ کا نمبر ون ٹینس پلیئر تھا۔ یہ عوام میں بے حد مقبول تھا اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ یہ ایک بہترین کھلاڑی تھا۔۔ جب آپ متعلقہ فیلڈ میں عروج کی حد تک ماہر ہو جاتے ہیں تو آپ ہر دلعزیز بن جاتے ہیں۔ آرتھر کو ایک حادثے کے بعد انتہائی غفلت کے ساتھ ایڈز کے مریض کا خون لگا دیا گیا اور آرتھر کو بھی ایڈز ہو گیا جب وہ بستر مرگ پر تھا اسے دنیا بھر سے اس کے فینز کے خطوط آتے تھے۔ ایک ایسے ہی فین نے خط بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا'' خدا نے اس خوفناک بیماری کے لیے تمہیں ہی کیوں چنا؟ آرتھر نے صرف اس ایک خط کا جواب دیا جو کہ یہ تھا۔ دنیا بھر میں پانچ کروڑ سے زائد بچے ٹینس کھیلنا شروع کرتے ہیں۔ اور ان میں سے پچاس لاکھ ہی ٹینس کھیلنا سیکھ پاتے ہیں۔ ان پچاس لاکھ میں سے پچاس ہزار ہی ٹینس کے سرکل میں داخل ہوتے ہیں جہاں ڈومیسٹک سے انٹرنیشنل لیول تک کھیل پاتے ہیں۔ ان پچاس ہزار میں سے پانچ ہزار ہیں جو گرینڈ سلام تک پہنچ پاتے ہیں۔ ان پچاس ہزار میں سے پچاس ہی ہیں جو ومبلڈن تک پہنچتے ہیں اور ان پچاس میں سے محض چار ہوتے ہیں جو ومبلڈن کے سیمی فائنل تک پہنچ پاتے ہیں ان چار میں سے صرف دو ہی فائنل تک جاتے ہیں اور ان دو میں سے محض ایک ہی ٹرافی اٹھاتا ہے اور وہ ٹرافی اٹھانے والا پانچ کروڑ میں سے چنا جاتا ہے۔ وہ ٹرافی اٹھائے میں نے کبھی خدا سے نہیں پوچھا کہ میں ہی کیوں؟ لہٰذا آج اگر درد مل رہا ہے تو میں خدا سے شکوے شروع کر دوں کہ میں ہی کیوں؟ جب ہم نے اپنے اچھے وقتوں میں خدا کو نہیں پوچھا کہ وائے می (میں ہی کیوں)؟ تو ہم برے وقتوں میں کیوں پوچھیں وائے می (میں ہی کیوں)۔

افواج پاکستان

افواج پاکستان ملک پاکستان کا ایک نہایت ہی معتبر ادارہ ہے۔اس ادارے سے جڑا ہر فرد خواہ وہ آن ڈیوٹی ہو یا آف ڈیوٹی، سمندری حدود کا پہرہ دار ہو یا آسمان پر اُڑتا کوئی شاہین، جرنیل ہو یا سیپر، یہ ملک یہ قوم انکی حفاظت انکی خدمت اس عظیم ادارے اور اس کے لوگوں کا نصب العین ہے. یہ لوگ اپنی جانوں کی اپنی زندگی کی، اپنے خاندان کی کبھی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان جانبازوں کے لیے وطن سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا تاریخ گواہ ہے جب بھی اس ارض پاک پر مشکل آئی یہ ادارہ اور اس کے لوگ سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئے. بیک وقت ملک اور عوام کو ناگہانی یا قدرتی آفات سے بچاتے بھی ہیں اور بارڈر پر موجود دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑتے بھی ہیں. آخر یہ لوگ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں؟ اپنی اس تحریر میں اس ادارے اور اس ادارے کے لوگوں کی چند ان قربانیوں کا ذکر کروں گا جو کہ ہمارے میڈیا نے کرنا کبھی گوارہ نہیں کیا ۔یہ تو ہم بچپن سے ہی سنتے آرہے ہیں کہ افواج پاکستان اس ملک کے ساتھ ساتھ، پوری اُمت مسلمہ اور خاص طور پر حرمین الشریفین کی محافظ ہیں۔سوال یہ اُٹھتا ہے کہ کیوں کیا عالم اسلام میں اور ایسا کوئی ملک نہیں؟ معاشی لحاظ سے پاکستان کا شمار پسماندہ اور کمزور معیشتوں والے ملکوں میں ہوتا ہے، جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ورلڈ بینک پر انحصار کرتا ہے۔

تو پھر یہ 6 یا 7 لاکھ کی فوج اتنی طاقتور کیسے ہے کہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہی ہے، آخر کیوں اور کیسے؟ میرے سوالات کا جواب صرف اتنا نہیں کہ یہ ایک اسلامی عقیدہ رکھنے والے سپاہی ہیں یا فوج ہے، بلکہ یہ ملک، اس ملک کی عوام اور اس ملک کی افواج قدرت خداوندی کا ایک راز جس کو سمجھنا ہماری عقل سے بہت پرے ہے۔ یہ قدرت خداوندی کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہیں، یہ اسلام کی بقا ہیں، بقول ہمارے پیارے نبی حضرت محمد (صلی اللہ والہ وسلم) کے مجھے مشرق سے ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں، تو یہ ملک، یہ قوم اور یہ افواج اللہ اور رسولؐ پاک کا ایک راز ہیں. کیونکہ ان کو مٹانے جو بھی نکلا اللہ پاک نے اسکی ذات ہی مٹا دی۔آیئے چند ان عظیم قربانیوں اور احساسات کا ذکر کرتے ہیں جو کہ ہماری قوم ہمارے ملک ہماری عوام نے اُمت مسلمہ اور بیرونی دنیا پر کئے۔

1- پاکستان نے 1967-1973 تک سعودی عرب کی اسرائیل کے خلاف جنگ میں مدد کی۔

۲- پاکستان نے بوسنیا کی 1992-1993 تک یورپ کے خلاف جنگ میں مدد کی۔

۳- پاکستان نے افغانستان کو روس کی خلاف جنگ میں نجات دلائی۔اس جنگ میں پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی آی ایس آئی نے اپنا خوب لوہا منوایا اور سپر پاور روس کو افغانستان کے بنجر میدانوں میں روند کے رکھ دیا۔ پاکستان نے آذربائیجان کی آرمینیا کے خلاف جنگ میں مدد کی۔ پاکستان وہ واحد اسلامی ریاست ہے جس نے اسرائیل اور آرمینیا کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ پاکستان نے ترکی کی جنگ آزادی میں ترکوں کو خوب سپورٹ کیا۔جب خوارجیوں نے خانہ کعبہ اور مسجد نبوی پر قبضہ کیا تب پاکستانی کمانڈوز نے انکا قبضہ چند گھنٹوں میں چھڑایا.اس آپریشن کو سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے لیڈ کیا تھا۔

۷- پاکستان نے متحدہ عرب امارات اور ایران کے مابین اختلافات کو ختم کروایا۔

۸- دہشتگردی کے خلاف جنگ میں پاکستان ایران کی فورسز کے شانہ بشانہ اُنکے ملک کے انڈر دہشتگردوں کے خلاف لڑے۔

۹- لاہور حملے میں ملوث تامل ٹائیگرز کے خلاف پاکستان نے سری لنکا کے ساتھ ملکر آپریشن سے اُنکا صفایا کیا۔

۱۰- بلیک ہاک ڈاؤن آپریشن میں پاکستان نے امریکہ کی مدد کی. جب ہزاروں امریکی فوجیوں کو موت نظر آرہی تھی تب پاکستانی فورسز نے اُنکی جان بچائی۔اس آپریشن میں ملائیشا نے بھی ساتھ دیا۔

۱۱- پاکستان دنیا کی سلامتی کے لئے کردار ادا کرنے والا تیسرا بڑا ملک ہے۔

۱۲- پاکستان نے مصر کی اسرائیل کے خلاف 6 دن کی جنگ میں مدد کی۔

۱۳- پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جس نے چین کو سب سے پہلے تسلیم کیا۔اپنے سفیر اور ساتھ میں بنیادی ضروری سامان جیسے کہ خوراک، ٹرانسپورٹ اور جہاز بھیجے۔اسی وجہ سے چین پاکستان کے ساتھ ہر مشکل میں کھڑا ہوتا ہے۔

۱۴- 1947 میں قائداعظم کے حکم پر مجاہدین نے کشمیر کا 1/3 حصہ حاصل کر لیا تھا۔

۱۵- پاکستان نے اپنے بل بوتے پر 1965 کی جنگ لڑی۔

۱۶- 1999 کی کارگل کی جنگ میں پاکستان نے فتح حاصل کی اور آدھا کشمیر بھی فتح کیا مگر بعد میں میاں نواز شریف اور امریکہ کی مداخلت کے بعد پاکستان کو اپنی افواج واپس بلوانا پڑی۔لیکن آج بھی وہاں کی بلند ترین چوٹیاں ہمارے پاس ہیں۔

ایسی ہزاروں قربانیاں اور امدادیں ہیں جو کہ پاکستان نے اُمت مسلمہ اور

دنیا کے لئے دیں جنکو بیان کرنے کے لیے ایک کتاب کی ضرورت ہے. لیکن بدلے میں ہمارے ملک، ہماری قوم اور ہماری افواج کو دیوار سے لگانے کی کوشش رائیگاں نہیں جانے دی گئی. ہمارے ملک میں دہشتگردی کا ایسا تور پھونکا گیا جس میں ہمارے لاکھوں بے گناہ شہری شہید ہوئے. لیکن دشمن کے لاکھ ہتھکنڈوں کے باوجود پاکستان کا وہ بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ دنیا جانتی ہے پاکستان میں رہنے والے خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں، مسلک کے ہوں، یا نسل کے، ملکی سلامتی کے خاطر سب ایک ہیں۔ یہ وہ واحد قوم ہے جو اپنا دفاع کرنا خود جانتی ہے، یہ وہ واحد قوم ہے جو اپنی افواج کے شانہ بشانہ لڑتی ہے. یہ وہ واحد قوم ہے جس نے اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں میں شہید ہوتے دیکھا ہے مگر آج بھی جی رہے ہیں کبھی ہار نہیں مانی کیونکہ ہار ماننا اس قوم کا شیوہ نہیں، کبھی یہ اپنی عزت کا سودا نہیں کرتی، ایسی ہوتی ہیں زندہ قومیں، جب تک افواج پاکستان ہیں، اور اس قوم کے دلوں میں اُنکے لئے پیار اور اعتبار ہے تب تک اس ملک کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ سلام ہے میرا اس قوم کو، اس وطن عزیز کو اور اسکی بہادر افواج کو، یہ جان رہے نہ رہے، یہ ملک رہنا چاہیے پاک فوج زندہ باد۔

***

اقرباء پروری کی مثال

پروفیسروں کے ساتھ ادیب، شاعر بھی کرسیوں کی لوٹ مار میں کسی سے پیچھے نہیں۔ سب سے سنگین مثال افتخار حسین کی ہے - 1990 میں اسے پہلے پاکستان ہائی کمشن لندن میں منسٹر پریس لگایا گیا لیکن اس پر انفارمیشن گروپ سے اتنا شدید ردعمل آیا کہ نواز شریف نے فیصلہ بدل کر اسے اکادمی ادبیات پاکستان کا ڈی جی تعینات کر دیا۔ بے نظیر نے فخر زماں کے کہنے پر افتخار حسین کو ڈاکٹر جمیل جالبی کے بعد صدر نشین مقتدرہ مقرر کیا۔ اکادمی سے جاتے ہوئے وہ رائٹرز اینڈ سکالرز فاؤنڈیشن کی سربراہی اور اس کا چار کروڑ فنڈ بھی ساتھ لے گیا۔ اس رقم کو نذیر ناجی کے دور میں اکامی کو واپس کر کے اس نے نذیر ناجی کی سمری پر نواز شریف سے وقتی غبن کے انعام کے طور پر گریڈ 22 حاصل کر لیا۔

1999 میں جب خالد اقبال یاسر کو ڈی جی اکادمی مقرر کیا گیا تو بلوچستان سے ایوب بلوچ کی بطور چیئرمین اکادمی تعیناتی کا فیصلہ ہوا لیکن افتخار عارف مقتدرہ میں بیٹھے ہوئے اکادمی پر اپنی گرفت ڈھیلی پڑتے دیکھ کر پھر اکادمی میں آن ٹپکا اور زبیدہ جلال ایک کمزور وزیر نکلی - اکادمی سے فراغت پا کر اس نام کے عارف نے سلمان فاروقی کے ذریعے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں فیض چیئر قائم کروالی لیکن یونیورسٹی نے اسے اس چیئر کے لئے نااہل قرار دے دیا جس پر پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران کو یہ چیئر اضافی طور پر سونپی گئی - مجبوراً افتخار حسین عارف کو نمل میں پناہ لینا پڑی۔ تہران میں ای سی او کلچرل انسٹی ٹیوٹ کی کرسی خالی تھی - سلمان فاروقی کی ایما پر بغیر اشتہار اسے وہ کرسی عنایت کی گئی اور وہاں موصوف نے بالالتزام اپنے وزٹنگ کارڈ اور وہاں کے ریکارڈ میں اپنا نام افتخار حسین عارف درج کروایا - وہاں سے پانچ سال بعد واپس آ کر وہ دوبارہ نمل کے ٹرانزٹ کیمپ میں کچھ دیر رہا اور اب اکادمی فروغ قومی زبان کا ڈی جی ہے مگر بے چین ہے کہ اب یہ عہدہ چیئرمین نہیں ڈی جی کہلاتا ہے۔

ادھر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن بنتے ہی اس نے انتقاماً ڈاکٹر شاہد اقبال کامران کو فیض چیئر سے ہٹوا دیا ہے اور اس کے لیے فتح محمد ملک کا نام تجویز کیا ہے مگر سنا ہے کہ فتح محمد ملک کی بات ایک سیاسی جماعت کے ٹکٹ پر سینیٹر بننے کے لیے چل رہی ہے - افتخار حسین کی ساری مندرجہ بالا تعیناتیاں میرٹ کی بے حرمتی میں اہلیت کے عدم تعین، تعلیمی استعداد کی تصدیق کے بغیر، عمر کی حتمی حدود سے باہر بلا اشتہار کرنی پڑیں کیونکہ اشتہار دینے سے اس کا گریڈ 7 کے کلرک کے طور پر بھی ملازمت کا اہل ہونا اغلباً ممکن نہ ہوتا۔ اب اس کی عمر 75 سال ہو رہی ہے اس کی ذہنی اور جسمانی صحت بھی ملازمت کے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اُترتی۔ اس کو بھی اردو سائنس بورڈ کے ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی طرح قوانین کو ایک طرف رکھ کر تعینات کیا گیا ہے اور ڈاکٹر نیر سے ایک گروپ بڑھا کر ایم - 1 دیا گیا ہے - گاڑی اور ڈرائیور اس کے علاوہ ہیں - یاد رہے کہ ایم گروپ کے گریڈ ان کارپوریٹ اداروں کے لیے مخصوص ہیں جو آمدن خیز سرگرمیوں میں مصروف ہوں۔

1965 میں پاکستان آنے والے اس شخص نے افغان مہاجرین کی طرح دھوکے سے پاکستانی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ حاصل کیا۔ یہ 1951 کے پاکستانی شہریت کے قانون کے تحت پاکستانی نہیں ہوا۔ برطانیہ اور پاکستان کی دوہری شہریت رکھتا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ تہران میں پاکستان کا نمائندہ تھا یا برطانیہ کا - کیا محترم عرفان صدیقی نے اسے سابقہ مقتدرہ میں یہ سب کچھ جانتے ہوئے تعینات کروایا ہے؟ اس کی سیلیکشن کمیٹی میں جلیل عالی اور احسان اکبر جیسے لوگ انگوٹھا لگانے کے لیے شامل تھے۔

کٹہرا ماں کے پاؤں

خالد مسعود خان

میں نے یہ منظر دوسری بار دیکھا، پہلی بار بھی جہاز میں ہی دیکھا تھا اور اب دوسری بار بھی جہاز میں سفر کے دوران، پہلی بار شاید پانچ یا چھ برس پیشتر بھی برطانیہ کے سفر کے دوران اور اس بار بھی برطانیہ ہی کے سفر کے دوران۔ بزرگوار کی عمر پچھتر اسی سال کے لگ بھگ ہوگی، وہ وہیل چیئر سے اترنے لگے تو ساتھ آئے ہوئے شخص نے جس کی عمر چالیس بیالیس سال کے لگ بھگ تھی، ممکن ہے کچھ کم یا زیادہ ہو! تاہم میرا اندازہ یہ تھا، نے انہیں روک دیا۔ وہیل چیئر والے بزرگ نے اسے کھڑا کرنے کے لئے آگے آنے کی کوشش کی مگر ان کے ہمراہ آنے والے نے انہیں روک دیا اور خود زمین پر بیٹھ کر بزرگ کے پاؤں بڑی محبت سے تھوڑا اوپر اٹھائے۔ پاؤں کے نیچے وہیل چیئر پر لگے پاؤں رکھنے والے ''فٹ سٹینڈز'' کو اٹھایا۔ بزرگ کے پاؤں کو زمین پر لگا دیا۔ دائیں گھٹنے کو بڑے ہی آرام سے ہاتھ سے سہارا دیا۔

یہ گھٹنا خاصا موٹا تھا، لگتا تھا کہ یا اس پر پلاسٹر ہے یا کسی بیماری کی وجہ سے سوجا ہوا ہے۔ بائیں گھٹنے کی نسبت اس کا سائز غیر معمولی تھا، اس نے اس گھٹنے کو ہاتھ سے پکڑ کر تھوڑا سیٹ کیا۔ پھر سہارا دے کر بزرگ کو کھڑا کیا، بزرگ کو کھڑا ہونے میں تھوڑی دقت تو ہوئی مگر جونہی وہ کھڑے ہوئے ساتھ آئے ہوئے شخص نے، جوان کا بیٹا معلوم ہوتا تھا، دوسرے ہاتھ میں پکڑی دو چلنے والی چھڑیاں انہیں پکڑا دیں۔ یہ بیساکھیاں نہ تھیں بلکہ عین اسی لمبائی کے مطابق بنی ہوئی چھڑیاں تھیں جو انہیں چلنے کے لئے درکار تھیں۔ پکڑنے والی جگہوں پر عام مٹھیوں کی بجائے انگوٹھا اور ہاتھ کی تلی لٹکانے کی جگہ بنی ہوئی تھی جہاز کے دروازے سے نشست تک محض چند قدم کی بات تھی، بزرگوار کی نشست جہاز میں داخل ہوتے ہی اکانومی کلاس کی پہلی قطار میں تھی۔ میری نشست کے بالکل ساتھ والی۔ یہ چند قدم کا فاصلہ بھی شاید مشکل ہوتا مگر اس جوان نے دونوں بازو پھیلا کر بزرگوار کے اردگرد اس طرح حفاظتی حصار سا بنایا ہوا تھا کہ کسی جانب سے رکاوٹ یا دھکے وغیرہ کا اندیشہ ہی ختم ہو گیا تھا۔ نشست پر بٹھانے سے پہلے اس نے دونوں چھڑیاں پکڑ کر نشست کے سامنے دیوار کے ساتھ رکھیں۔ بزرگوار کو سیٹ کے سامنے کھڑا کیا، دونوں ہاتھ نشست کے بازوؤں پر لگائے، کمر کے گرد بازو حائل کئے۔ دائیں گھٹنے کو پہلے تھوڑا آگے کیا پھر دوبارہ پیچھے کیا، گھٹنے کو سہلایا۔ شلوار قمیص کو ہر جگہ سے سیدھا کیا اور پھر ساتھ کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا! یہ میرے ابا جی ہیں۔ بزرگوار کی سیٹ درمیان میں تھی، کھڑکی والی سیٹ میرے پاس تھی اور راہداری والی کسی اور کے پاس، بزرگوار کے بیٹے کی سیٹ ظاہر ہے کہیں پیچھے تھی۔ میں بزرگوار کے بائیں طرف تھا۔ وہ جوان مسلسل اپنے والد کے ساتھ کھڑا تھا۔ ابھی جہاز کی روانگی میں پندرہ بیس منٹ تھے اور اس دوران وہ نہ صرف کہ کھڑا رہا بلکہ مسلسل حال چال پوچھتا رہا۔ کرسی کے آرامدہ ہونے، پشت کے مناسب ہونے، پاؤں کے ٹھیک جگہ ہونے اور جہاز کے درجہ حرارت کے بارے دریافت کرتا تھا۔ اس کے والد محض سر ہلا کر اس کی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔ پھر اس نے چائے اور پانی کا پوچھا، ساتھ ہی کہا آپ تکلیف نہ کریں، یہ اس بار بھی چائے دیں گے اگر آپ نے پینی ہے تو بتائیں۔ بزرگ نے انکار میں سر ہلا دیا، پھر وہ دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا، بائیں پاؤں کا جوتا اتارا اور پاؤں کی ہاتھ سے مالش کی، انہیں سہلایا اور پھر دوبارہ جوتا پہنا دیا۔ مجھے چار پانچ سال پہلے والا واقعہ یاد آ گیا۔ تب بھی میں اسی پہلی نشستوں والی قطار میں ہی تھا لیکن دوسری طرف راہداری والی نشست پر تھا۔ اس نشست کو انگریزی میں AISLE SEAT کہتے ہیں، بولتے وقت ایس غائب ہو جاتا ہے اور صرف ''آئل سیٹ'' کہلاتی ہے۔ اس قطار میں دس سیٹیں تھیں۔ تین تین دونوں اطراف میں اور چار درمیان میں، میں تین نشستوں والی سائیڈ کی اندرونی نشست پر تھا اور ایک بزرگ خاتون درمیانی چار نشستوں کی باہر والی سائیڈ پر یعنی میرے اور اس کے درمیان صرف چلنے والی راہداری تھی۔ اس خاتون کے ساتھ ایک نوجوان تھا نہایت ہی خوش شکل اور سمارٹ، خوبصورت میچنگ والے کپڑے، کوٹ، پینٹ، شرٹ اور ٹائی، کندھے سے لٹکا لیپ ٹاپ کا بیگ، نوجوان نے لیپ ٹاپ کندھے سے اتار کر جہاز کے بالائی خانے میں رکھا۔ ٹائی ڈھیلی کی، کوٹ اتار کر اپنی سیٹ پر رکھا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اپنی والدہ کے جوتے اتارے، جرابیں اُتار کر سامنے دیوار کے ساتھ لگے سٹائل والے خانے میں رکھیں اور پاؤں کو ہاتھوں سے سہلانا شروع کر دیا۔ دیکھا کہ آنے جانے والوں کو تھوڑی دقت ہو رہی ہے تو اندرونی سائیڈ پر تنگ جگہ پر بیٹھ گیا اور پاؤں دباتا رہا تاوقتیکہ جہازی میزبانوں نے روانگی کی ہدایات دینا شروع کر دیں کہ اپنی نشست پر تشریف رکھیں۔ سیٹ بیلٹ باندھ لیں، کھانے کی میز ٹھیک طریقے سے بند کر دیں اور کرسی کی پشت سیدھی کریں، وغیرہ وغیرہ۔ سارا راستہ اس

نوجوان نے اپنی ماں کا ایسے خیال رکھا کہ صرف محسوس کیا جا سکتا تھا، بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی کمبل اوڑھاتا، کبھی اتارتا۔ کبھی تکیہ سر کے نیچے رکھا اور کبھی بازو کے نیچے۔ کبھی چائے اس طرح پلائی کہ پرچ مسلسل اپنے ہاتھوں میں رکھی۔ کھانے کے وقت نیپکن لگایا اور ایک ایک دانہ صاف کیا۔ درمیان میں جہاز کا درجہ حرارت کم ہو گیا تو جرابیں دوبارہ پہنائیں، میں نے اسے جرابیں پہناتے غور سے دیکھا۔ پہلے جرابیں سیدھی کیں پھر پوری فولڈ کیں۔ انگلیوں کو ٹھیک طریقہ سے داخل کیا، پنجے کے بعد ایڑیوں کو ٹھیک طریقہ سے جمایا، ٹخنوں سے لیکر اُوپر تک نہایت سکون اور سلیقے سے جرابیں پہنائیں۔ پھر ایک بار دوبارہ جائزہ لیا، سارے بل نکالے اور جوتا پہنا دیا۔ دو تین گھنٹے بعد دوبارہ جوتے اُتارے اور پاؤں کو اچھی طرح سہلایا کہ لمبے سفر میں پاؤں سوج جاتے ہیں۔ ایمانداری کی بات ہے کہ میں نے اپنی ماں کی حتیٰ المقدور خدمت کی ہے۔ عثمان آباد والے گھر کے صحن میں ماں جی کو وضو کرواتے ہوئے، ان کے پاؤں سے ٹپکتا ہوا پانی چلو بھر کر گھونٹ بھرا تو ماں جی ناراض ہو گئیں کہ بھلا پاؤں کا پانی بھی کوئی پیتا ہے؟ لیکن ایمانداری کی بات یہ بھی ہے کہ مجھے اس نوجوان پر حسرت آئی کہ کاش میں نے اپنی ماں کی ایسی خدمت کی ہوتی۔ آٹھ گھنٹے کے سفر میں اس کی آنکھ لگی اور اس کی ماں نے کروٹ لی تو وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی والدہ نے اتنی بار کمبل اوڑھایا اور اتروایا کہ دوسری طرف بیٹھا ہوا تنگ پڑنے لگ گیا مگر مجال ہے جو اس نوجوان کے چہرے پر ایک بار بھی تنگ پڑنے کا تاثر ابھرا ہو۔ ہر بار ہر کام اسی خوشی سے کرتے دیکھا کہ حیرت اور حسرت ہوئی، جہاز کی لینڈنگ کا اعلان ہوا تو دوبارہ جرابیں، جوتا پہنایا، جب وہ جوتا پہنا کر فارغ ہوا تو میں سیٹ سے اٹھا اور اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنی بھیگی آنکھوں سے لگایا۔ اس نے ہاتھ کھینچ کر کہا کہ میرے ہاتھ جوتے والے ہیں، میں نے کہا، ماں کے جوتوں کو لگنے والے ہاتھوں سے پاک ہاتھ اور کون سے ہو سکتے ہیں؟ اور ماں کے پاؤں بھلا کسی ایک کی ملکیت کب ہوتے ہیں؟ اس بات کو چار پانچ سال گزر گئے ہیں مجھے جب بھی وہ خوبرو نوجوان یاد آتا ہے تو ایک عجیب بے کلی سی، ایک حسرت سی اور ایک ہوک سی دل سے اُٹھتی ہے کہ کاش وہ نوجوان مجھے سولہ سترہ سال پہلے ملا ہوتا، میں اس سے سیکھا ہوا سبق دُہرا سکتا۔ لیکن ایسا کرنا اب ممکن نہیں، کبھی کبھی سفر کے دوران اس نوجوان کا سوچتا ہوں تو آنکھوں کے اس حصے میں ٹھنڈک سی محسوس ہوتی ہے جہاں اس کے ہاتھوں کو لگایا تھا۔

مشرف

انسان اپنی بے وقوفیوں اور ہوس کے نتیجے میں دُکھ اُٹھاتا ہے... ورنہ جب خدا تعالیٰ نے موقع فراہم کیا تو اس اقتدار سے آپ نے کیا فائدہ اُٹھایا؟ ملاؤں کی ہلکی سی دھمکی پر ہمیشہ ہتھیار ڈال دیئے خواہ وہ جوائنٹ الیکٹوریٹ کا مسئلہ تھا یا احمدیوں کے لیے امتیازی پاسپورٹ کا یا ۹/۱۱ کے بعد امریکی بوٹ چاٹنے کا مسئلہ تھا یا دہشتگردوں کے خلاف خاموشی کی پالیسی تھی... بے وقوف اور جاہل ملاؤں کو اسمبلیوں میں یہ شخص لایا ایک صوبہ ایم ایم اے کے سپرد کر دیا جس سے دنیا بھر کے دہشتگردوں کے لیے محفوظ جنت بنا دیا... پاکستان کے فوجی حکمرانوں میں یہ شخص ایک بزدل اور کوتاہ نظر حکمران کے طور پر یاد کیا جائے گا۔ اور اب بھی اس کی سمجھ بوجھ کا یہ عالم ہے کہ خوش فہمیاں اس کو چھوڑتی ہی نہیں اور عجیب ذہنی کیفیات میں مبتلا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نور مستی خیل

وحشتوں کا ہوں ڈسا آ کے سنبھالے کوئی
"رات کا زہر مرے تن سے نکالے کوئی
جس پہ ڈالی ہے سدا گردشِ حالات نے گرد
میں وہ گوہر ہوں سرِ راہ اُٹھالے کوئی
تیر بیگانوں کے سہہ لونگا یہ آساں ہے مجھے
کاش آ کر مجھے اپنوں سے بچالے کوئی
دے گیا آس کو پھر فصلِ بہاراں کی نوید
کر گیا ہے مجھے پھر غم کے حوالے کوئی
جرأت و صدق سے آرا ہے مری سیفِ زباں
میرے جذبات بہانے سے نہ ٹالے کوئی
دل سے ایمان کا رشتہ ہے حقیقت یہ ہے
رِیش ایمان نہیں جتنی بڑھالے کوئی
اوجِ تقدیسِ خودی بیچ دے زندہ بھی رہے
اِس سے بہتر ہے کہ دھرتی میں سمالے کوئی
دل کی وادی سے یہ خاموش صدا آتی ہے
میں بھی انساں ہوں مجھے اپنا بنالے کوئی
رُخ پہ اک نور لیے لب پہ تبسّم کی ضیا
تیرہ بختی کو مری آ کے اُجالے کوئی

ہارون رشیدؒ کا ایک بیٹا

عاصی صحرائی

کہتے ہیں کہ ہارون رشیدؒ کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔ وہ بہت کثرت سے زاہدوں اور بزرگوں کی مجلس میں رہا کرتا تھا، اور اکثر قبرستان چلا جاتا، وہاں جا کر کہتا کہ تم لوگ ہم سے پہلے دنیا میں تھے، دنیا کے مالک تھے، لیکن اس دنیا نے تمھیں نجات نہ دی، حتیٰ کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ کاش! مجھے کسی طرح خبر ہوتی کہ تم پر کیا گذری ہے اور تم سے کیا کیا سوال وجواب ہوئے ہیں؟ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا۔

تَرُوْعُنِیَ الْجَنَائِزُ کُلَّ یَوْمٍ
وَیَحْزُنُنِیَ بُکَاءُ النَّائِحَاتِ

مجھے جنازے ہر دن ڈراتے ہیں اور مرنے والوں پر رونے والیوں کی آوازیں مجھے غمگین رکھتی ہیں۔ ایک دن وہ اپنے باپ (بادشاہ) کی مجلس میں آیا۔ اس کے پاس وُزرا، اُمرا سب جمع تھے اور لڑکے کے بدن پر ایک کپڑا معمولی اور سر پر ایک لنگی بندھی ہوئی تھی۔ آراکینِ سلطنت آپس میں کہنے لگے کہ اس پاگل لڑکے کی حرکتوں نے امیر المومنین کو بھی دوسرے بادشاہوں کی نگاہ میں ذلیل کر دیا۔ اگر امیر المومنین اس کو تنبیہ کریں تو شاید یہ اپنی اس حالت سے باز آجائے۔ امیر المومنین نے یہ بات سن کر اس سے کہا کہ بیٹا! تو نے مجھے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر رکھا ہے۔

اس نے یہ بات سن کر باپ کو تو کوئی جواب نہیں دیا، لیکن ایک پرند وہاں بیٹھا تھا اس کو کہا کہ اس ذات کا واسطہ جس نے مجھے پیدا کیا تو میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جا۔ وہ پرند وہاں سے اُڑ کر اس کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر کہا کہ اب اپنی جگہ چلا جا۔ وہ ہاتھ پر سے اُڑ کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ ابا جان! اصل میں آپ دنیا سے جو محبت کر رہے ہیں اس نے مجھے رسوا کر رکھا ہے۔!!! اب میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سے جدائی اختیار کر لوں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ایک قرآن شریف صرف اپنے ساتھ لیا۔ چلتے ہوئے ماں نے ایک بہت قیمتی انگوٹھی بھی اس کو دے دی (کہ اِحتیاج کے وقت اس کو فروخت کر کے کام میں لائے) وہ یہاں سے چل کر... بصرہ پہنچ گیا... اور مزدوروں میں کام کرنے لگا۔ ہفتہ میں صرف ایک دن شنبہ کو مزدوری کرتا اور آٹھ دن تک وہ مزدوری کے پیسے خرچ کرتا اور آٹھویں دن پھر شنبہ کو مزدوری کر لیتا۔ اور ایک دِرَہم اور ایک دانق (یعنی دِرَہم کا چھٹا حصہ مزدوری لیتا) اس سے کم یا زیادہ نہ لیتا۔ ایک دانق روزانہ خرچ کرتا۔ ابو عامر بصریؒ کہتے ہیں کہ میری ایک دیوار گر گئی تھی۔ اس کو بنوانے کے لیے میں کسی معمار کی تلاش میں نکلا۔ (کسی نے بتایا ہوگا کہ یہ شخص بھی تعمیر کا کام کرتا ہے) میں نے دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے، ایک زنبیل پاس رکھی ہے اور قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ لڑکے مزدوری کرو گے؟ کہنے لگا: کیوں نہیں! کریں گے، مزدوری کے لیے تو پیدا ہی ہوئے ہیں۔ آپ بتائیں کہ کیا خدمت مجھ سے لینی ہے؟ میں نے کہا: گارے مٹی (تعمیر) کا کام لینا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک دِرَم اور ایک دانق مزدوری ہوگی اور نماز کے اوقات میں کام نہیں کروں گا، مجھے نماز کے لیے جانا ہوگا۔ میں نے اس کی دونوں شرطیں منظور کر لیں اور اس کو لا کر کام پر لگا دیا۔ مغرب کے وقت جب میں نے دیکھا تو اس نے دس آدمیوں کی بقدر کام کیا۔ میں نے اس کو مزدوری میں دو دِرَہم دیئے۔ اس نے شرط سے زائد لینے سے انکار کر دیا، اور ایک دِرَہم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن... میں پھر اس کی تلاش میں نکلا۔ وہ مجھے کہیں نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا کہ ایسی ایسی صورت کا ایک لڑکا مزدوری کیا کرتا ہے، کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ صرف شنبہ ہی کے دن مزدوری کرتا ہے، اس سے پہلے تمھیں کہیں نہیں ملے گا۔ مجھے اس کے کام کو دیکھ کر ایسی رغبت ہوئی کہ میں نے آٹھ دن کو اپنی تعمیر بند کر دی اور شنبہ کے دن اس کی تلاش کو نکلا۔ وہ اسی طرح بیٹھا قرآن شریف پڑھتا ہوا ملا۔ میں نے سلام کیا اور مزدوری کرنے کو پوچھا۔ اس نے وہی پہلی دو شرطیں بیان کیں۔

میں نے منظور کر لیں۔ وہ میرے ساتھ آکر کام میں لگ گیا۔ مجھے اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ پچھلے شنبہ کو اس اکیلے نے دس آدمیوں کا کام کس طرح کر لیا۔ اس لیے اس مرتبہ میں نے ایسی طرح چھپ کر کہ وہ مجھے نہ دیکھے، اس کے کام کرنے کا طریقہ دیکھا،... تو یہ منظر دیکھا کہ... وہ ہاتھ میں گارا لے کر دیوار

پر ڈالتا ہے اور پتھر اپنے آپ ہی ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اللہ کا ولی ہے اور اللہ کے اَولیا کے کاموں کی غیب سے مدد ہوتی ہی ہے۔ جب شام ہوئی تو میں نے اس کو تین دِرَم دینا چاہے۔ اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ کہ میں اتنے دِرَم کیا کروں گا؟ اور ایک دِرَم اور ایک دانق لے کر چلا گیا۔ میں نے ایک ہفتہ پھر انتظار کیا اور تیسرے شنبہ کو پھر میں اس کی تلاش میں نکلا، مگر وہ مجھے نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا۔ ایک شخص نے بتایا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے۔۔۔ فلاں ویرانہ جنگل میں پڑا ہے۔ میں نے ایک شخص کو اجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ مجھے اس جنگل میں پہنچا دے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اس جنگل ویران میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ۔۔۔۔ وہ بے ہوش پڑا ہے۔ آدھی اینٹ کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کو سلام کیا، اس نے جواب نہ دیا۔ میں نے دوسری مرتبہ سلام کیا تو اس نے (آنکھ کھولی اور) مجھے پہچان لیا۔ میں نے جلدی سے اس کا سر اینٹ پر سے اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس نے سر ہٹا لیا اور چند شعر پڑھے جن میں سے دو یہ ہیں ۔

یَاصَاحِبِیْ لَاتَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ فَالْعُمْرُ یَنْفَدُ وَالنَّعِیْمُ یَزُوْلُ

وَاِذَاحَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جَنَازَۃً فَاعْلَمْ بِاَنَّکَ بَعْدَھَا مَحْمُوْلُ۔

میرے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ میں نہ پڑ۔ عمر ختم ہوتی جا رہی ہے اور یہ نعمتیں سب ختم ہو جائیں گی۔ جب تو کوئی جنازہ لے کر قبرستان میں جائے تو یہ سوچتا رہا کر کہ تیرا بھی ایک دن اسی طرح جنازہ اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ ابو عامر! جب میری روح نکل جائے تو مجھے نہلا کر میرے اسی کپڑے میں مجھے کفن دے دینا۔ میں نے کہا: میرے محبوب! اس میں کیا حرج ہے کہ میں تیرے کفن کے لیے نئے کپڑے لے آؤں؟ اس نے جواب دیا کہ نئے کپڑوں کے زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ (یہ جواب حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جواب ہے۔ انھوں نے بھی اپنے وصال کے وقت یہی فرمائش کی تھی کہ میری انہی چادروں میں کفن دے دینا۔ اور جب ان سے نئے کپڑے کی اجازت چاہی گئی تو انھوں نے یہی جواب دیا تھا۔) لڑکے نے کہا کہ کفن تو (پرانا ہو یا نیا بہر حال) بوسیدہ ہو جائے گا۔ آدمی کے ساتھ تو صرف اس کا عمل ہی رہتا ہے۔ اور یہ میری لنگی اور لوٹا قبر کھودنے والے کو مزدوری میں دے دینا، اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف ہارون رشید تک پہنچا دینا۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ خود انہی کے ہاتھ میں دینا اور یہ کہہ کر دینا کہ ایک پردیسی لڑکے کی یہ میرے پاس امانت ہے اور وہ آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اسی غفلت اور دھوکہ کی حالت میں آپ کی موت آ جائے... یہ کہہ کر اس کی روح نکل گئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا شہزادہ تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی وصیت کے موافق میں نے اس کو دفن کر دیا، اور دونوں چیزیں گورکن کو دے دیں، اور قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر... بغداد پہنچا... اور قصرِ شاہی کے قریب پہنچا تو بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی۔ میں ایک اونچی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اوّل ایک بہت بڑا لشکر نکلا جس میں تقریباً ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ اس کے بعد اسی طرح یکے بعد دیگرے دس لشکر نکلے۔ ہر ایک میں تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ دسویں جتھے میں خود امیر المومنین بھی تھے۔ میں نے زور سے آواز دے کر کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کو حضورِ اقدس ﷺ کی قرابت رشتہ داری کا واسطہ، ذرا سا توقف کر لیجیے۔ میری آواز پر انھوں نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا کہ میرے پاس ایک پردیسی لڑکے کی یہ امانت ہے جس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ تک پہنچا دوں۔ بادشاہ نے ان کو دیکھ کر (پہچان لیا) تھوڑی دیر سر جھکایا۔ ان کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور ایک دربان سے کہا کہ اس آدمی کو اپنے ساتھ رکھو، جب میں واپسی پر بلاؤں تو میرے پاس پہنچا دینا۔ جب وہ باہر سے واپسی پر پہنچے تو محل کے پردے گروا کر دربان سے فرمایا: اس شخص کو بلا کر لاؤ، اگرچہ وہ میرا غم تازہ ہی کرے گا۔

دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے بلایا ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ امیر پر صدمہ کا بہت اثر ہے۔ اگر تم دس باتیں کرنا چاہتے ہو تو پانچ ہی پر اِکتفا کرنا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا۔ اس وقت امیر بالکل تنہا بیٹھے تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ میرے قریب آ جاو۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے کہ تم میرے اس بیٹے کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں میں ان کو جانتا ہوں۔ کہنے لگے: وہ کیا کام کرتا تھا؟ میں نے کہا: گارے مٹی کی مزدوری کرتے تھے۔ کہنے لگے: تم نے بھی مزدوری پر کوئی کام اس سے کرایا ہے؟ میں نے کہا: کرایا ہے۔ کہنے لگے: تمھیں اس کا خیال نہ آیا کہ اس کی حضورِ اقدس ﷺ سے قرابت تھی (کہ یہ حضرات حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد ہیں)؟ میں نے کہا: امیر المومنین پہلے اللہ سے معذرت چاہتا ہوں، اس کے بعد آپ سے عذر خواہ ہوں، مجھے اس وقت اس کا

علم ہی نہ تھا کہ یہ کون ہیں؟ مجھے ان کے انتقال کے وقت ان کا حال معلوم ہوا۔ کہنے لگے کہ تم نے اپنے ہاتھ سے اس کو غسل دیا؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ کہنے لگے: اپنا ہاتھ لاو۔ میرا ہاتھ لے کر اپنے سینہ پر رکھ دیا اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

اے وہ مسافر جس پر میرا دل پگھل رہا ہے اور میری آنکھیں اس پر آنسو بہا رہی ہیں! اے وہ شخص جس کا مکان (قبر) دور ہے، لیکن اس کا غم میرے قریب ہے! بے شک موت ہر اچھے سے اچھے عیش کو مکدر کر دیتی ہے۔ وہ مسافر ایک چاند کا ٹکڑا تھا (یعنی اس کا چہرہ) جو خالص چاندی کی ٹہنی پر تھا (یعنی اس کے بدن پر)۔ پس چاند کا ٹکڑا بھی قبر میں پہنچ گیا اور چاندی کی ٹہنی بھی قبر میں پہنچ گئی۔ اس کے بعد ہارون رشیدؒ نے بصرہ اس کی قبر پر جانے کا ارادہ کیا، ابو عامرؒ ساتھ تھے۔ اس کی قبر پر پہنچ کر ہارون رشید نے چند شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے: اے وہ مسافر جو اپنے سفر سے کبھی بھی نہ لوٹے گا! موت نے کم عمری کے ہی زمانہ میں اس کو جلدی سے اُچک لیا۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! تو میرے لیے انس اور دل کا چین تھا، لانبی راتوں میں بھی اور مختصر راتوں میں بھی۔ تُو نے موت کا وہ پیالہ پیا ہے جس کو عنقریب تیرا بوڑھا باپ بڑھاپے کی حالت میں پیے گا۔ بلکہ دنیا کا ہر آدمی اس کو پیے گا، چاہے وہ جنگل کا رہنے والا ہو یا شہر کا رہنے والا ہو۔ پس سب تعریفیں اسی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کے لیے ہیں جس کی لکھی ہوئی تقدیر کے یہ کرشمے ہیں۔ ابو عامرؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو رات آئی تو جب میں اپنے وظائف پورے کر کے لیٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں... ایک نور کا قبہ دیکھا جس کے اوپر اَبر کی طرح نور ہی نور پھیل رہا ہے۔ اس نور کے اَبر میں سے اس لڑکے نے مجھے آواز دے کر کہا: ابو عامر!!!! تمھیں حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے (تم نے میری تجہیز و تکفین کی اور میری وصیت پوری کی)۔ میں نے اس سے پوچھا کہ میرے پیارے! تیرا کیا حال گزرا؟ کہنے لگا کہ... میں ایسے مولیٰ کی طرف پہنچا ہوں جو بہت کریم ہے اور مجھ سے بہت راضی ہے۔ مجھے اس مالک نے وہ چیزیں عطا کیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سنیں، نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خیال گزرا۔

(یہ ایک مشہور حدیثِ پاک کا مضمون ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کا پاک ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کان نے سنیں، نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کے لیے جن کے پہلو رات کو خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں (یعنی تہجد گذاروں کے لیے) وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خیال گذرا، نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے، نہ کوئی نبی رسول جانتا ہے۔ اور یہ مضمون قرآنِ پاک میں بھی ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ (السجدہ) کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ (دُرِّمنثور) اس کے بعد... اس لڑکے نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جو بھی دنیا سے اس طرح نکل آئے جیسا میں نکل آیا، اس کے لیے یہی اِعزاز اور اِکرام ہیں جو میرے لیئے ہیں۔

***

شذرات قابل فکر موضوعات پر دانشوروں کے اقتباسات

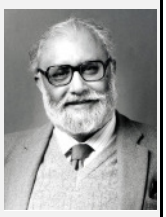

مرسلہ۔مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب

معروف مصنفہ کشور ناہید نے اپنی کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ آپ ایسی شخصیت سے کبھی نہیں ملے ہوں گے۔ جب اپنا نوبیل انعام لینے گئے تو پیر میں کھسہ شلوار اور شیروانی اور سر پر کلہ۔ یہ تھے ہمارے اور آپ کے ڈاکٹر عبدالسلام۔ ان کو پاکستانی کہہ کر بلایا گیا۔ نوبیل انعام دیا گیا، مگر حکومت پاکستان نے تو ان کو نہ تسلیم کیا، نہ ملک میں آ کر کوئی استقبالیہ دینے دیا۔ قائداعظم یونیورسٹی میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا مگر وہاں کیا ہوا۔ ڈاکٹر عبدالسلام پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکے گئے ان کا قصور یہ تھا کہ وہ احمدی تھے۔ پاکستان سے محبت کرتے تھے۔ پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ اپنے وطن میں دفن ہونا چاہتے تھے۔ ہم سب کی ان سے ملاقات شریف جنجوعہ نے کروائی تھی۔ ہم لوگ پھولے نہیں سما رہے تھے کہ ہمارے ملک کا اتنا بڑا آدمی، بہت نرم اور دھیمے لہجے میں ہر ایک کی بات سن رہا تھا۔

(کشور ناہید کی ڈائری صفحہ 80 سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

سچے اور کھرے مسلمان

جاوید چوہدری

جون ایلیا اردو شاعری کے اوتار تھے' وہ شعر نہیں کہتے تھے وہ شعر کو جنم دیتے تھے' آپ ان کا کوئی شعر پڑھ لیں' آپ کو یہ صرف دو مصرعوں کا جوڑ محسوس نہیں ہوگا' آپ اسے حدیث دل اور آیت خیال پائیں گے' آپ اگر اردو سیکھنا اور اردو شاعری کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ صرف جون ایلیا کو پڑھ لیں آپ کو مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ مجھے پچھلے دنوں جون ایلیا کا ایک فقرہ پڑھنے کا اتفاق ہوا' حضرت جون نے فرمایا:

''ہم ہزار برس سے تاریخ کے دسترخوان پر حرام خوری کے سوا کچھ نہیں کر رہے'' میں نے جب سے یہ فقرہ پڑھا' میں اس وقت سے سرور میں ہوں' میں اس وقت سے جذب و مستی میں ہوں' کتنا بڑا سچ ہے اور جون ایلیا نے اس سچ کو کس سادگی کے ساتھ 18 لفظوں میں بیان کر دیا' واہ سبحان اللہ' اُستاد بہرحال اُستاد ہوتا ہے اور لاکھوں شاگرد مل کر بھی ایک اُستاد کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جون ایلیا نے یہ فقرہ لکھ کر خود کو اُستاد ثابت کر دیا' ہم نے واقعی ہزار سال میں جنگوں کے سوا کچھ نہیں کیا' آپ 2018ء سے ہزار سال پیچھے چلے جائیے' آپ کو محمود غزنوی ہندوستان پر حملے کرتا ملے گا' آپ سپین میں مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا گلا کٹتے دیکھیں گے' آپ کو ترکی میں سلجوق تلواریں اُٹھا کر پھرتے نظر آئیں گے' آپ کو عرب میں لاشیں بکھری ملیں گی' شیعہ سنی اور سنی شیعہ کے سر اُتارتے نظر آئیں گے' مسلمان مسلمان کو فتح کر رہا ہوگا' مسلمان مسلمانوں کی مسجدیں جلاتے دکھائی دیں گے اور آپ مومن کے ہاتھوں مومنوں کے سروں کے مینار بنتے دیکھیں گے' آپ 1018ء سے آگے آتے چلے جائیں' آپ کے سارے طبق روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ آپ کو مسلمان مسلمان کو قتل کرتے اور قتال کے درمیانی وقفے میں حرام خوری کرتے نظر آئیں گے' ہم نے اپنی 14 سو سالہ تاریخ میں اغیار کو اتنا فتح نہیں کیا جتنا ہم ایک دوسرے کو فتح کرتے رہے' آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی مسلمانوں نے عالم اسلام کا 95 فیصد علاقہ اسلامی عروج کی پہلی صدی میں فتح کر لیا تھا' مسلمان اس کے بعد ساڑھے تیرہ سو سال اس علاقے کیلئے ایک دوسرے سے لڑتے رہے' ہمارے علم' فلسفے' سائنس اور ایجادات کی 95 فیصد تاریخ بھی ابتدائی تین سو سال تک محدود تھی' ہم نے اس کے بعد باقی ہزار سال تک حرام خوری کے سوا کچھ نہیں کیا' عالم اسلام ہزار سال سے نیل کٹر سے لے کر کنگھی تک ان لوگوں کی استعمال کر رہا ہے جنہیں ہم دن میں پانچ بار بددعائیں دیتے ہیں' آپ کمال دیکھئے' ہم مسجدوں میں یہودیوں کے پنکھے اور اے سی لگا کر' عیسائیوں کی ٹونٹیوں سے وضو کر کے' کافروں کے ساؤنڈ سسٹم پر اذان دے کر اور لادینوں کی جائے نمازوں پر سجدے کر کے ان سب کی بربادی کیلئے بددعائیں کرتے ہیں' ہم ادویات بھی یہودیوں کی کھاتے ہیں' بارود بھی کافروں کا استعمال کرتے ہیں اور پوری دنیا پر اسلام کے غلبے کے خواب بھی دیکھتے ہیں' آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی ہم خود کو دنیا کی بہادر ترین قوم سمجھتے ہیں لیکن ہم نے پچھلے پانچ سو برسوں میں کافروں کے خلاف کوئی بڑی جنگ نہیں جیتی' ہم پانچ صدیوں سے مار اور صرف مار کھا رہے ہیں' پہلی جنگ عظیم سے قبل پورا عرب ایک تھا' یہ خلافت عثمانیہ کا حصہ ہوتا تھا' یورپ نے 1918ء میں عرب کو 12 ملکوں میں تقسیم کر دیا اور دنیا کی بہادر ترین قوم دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی' برطانیہ نے عربوں کی زمین چھین کر اسرائیل بنایا اور ہم رونے دھونے اور یوم القدس منانے کے سوا کچھ نہیں کر رہے' ہم اگر جنگجو تھے' ہمارا اگر لڑنے کا چودہ سو سال کا تجربہ تھا تو ہم کم از کم لڑائی ہی میں ''پرفیکٹ'' ہو جاتے اور کم از کم دنیا کے ہر ہتھیار پر ''میڈ بائی مسلم'' کی مہر ہی لگ جاتی اور ہم اگر دنیا کے بہادر ترین فوجی ہی تیار کر لیتے تو ہم آج مار نہ کھا رہے ہوتے' آج کم از کم عراق' لیبیا' مصر' افغانستان اور شام انسانی المیہ نہ بن رہے ہوتے۔ آپ اسلامی دنیا کی بدقسمتی ملاحظہ کیجئے' ہم لوگ آج یورپی بندوقوں' ٹینکوں' توپوں' گولوں' گولیوں اور امریکی جنگی جہازوں کے بغیر خانہ کعبہ کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے' ہماری تعلیم کا حال یہ ہے دنیا کی 100 سو بڑی یونیورسٹیوں کی فہرست میں اسلامی دنیا کی ایک بھی یونیورسٹی نہیں آتی' ساری اسلامی دنیا مل کر جتنے ریسرچ پیپر تیار کرتی ہے وہ امریکا کے ایک شہر بوسٹن میں ہونے والی ریسرچ کا نصف بنتا ہے' پوری اسلامی دنیا کے حکمران علاج کیلئے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں' یہ اپنی زندگی کا آخری حصہ یورپ' امریکہ کینیڈا اور نیوزی لینڈ میں گزارنا چاہتے ہیں' دنیا کی نوے فیصد

تاریخ اسلامی ملکوں میں ہے لیکن اسلامی دنیا کے نوے فیصد خوشحال لوگ سیاحت کیلئے مغربی ملکوں میں جاتے ہیں' ہم نے پانچ سو سال سے دنیا کو کوئی دواء' کوئی ہتھیار' کوئی نیا فلسفہ' کوئی خوراک' کوئی اچھی کتاب' کوئی نیا کھیل اور کوئی اچھا قانون نہیں دیا' ہم نے اگر ان پانچ سو برسوں میں کوئی اچھا جوتا ہی بنا لیا ہوتا تو ہمارا فرض کفایہ ادا ہو جاتا' ہم ہزار برسوں میں صاف ستھرا استنجہ خانہ نہیں بنا سکے' ہم نے موزے اور سلیپر اور گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم لباس تک نہیں بنایا' ہم نے اگر قرآن مجید کی اشاعت کیلئے کاغذ' پرنٹنگ مشین اور سیاہی ہی بنا لی ہوتی تو ہماری عزت رہ جاتی' ہم تو خانہ کعبہ کے غلاف کیلئے کپڑا بھی اٹلی سے تیار کراتے ہیں' ہم تو حرمین شریفین کیلئے ساؤنڈ سسٹم بھی یہودی کمپنیوں سے خریدتے ہیں' ہمارے لئے آبِ زم زم بھی کافر کمپنیاں نکالتی ہیں' ہماری تسبیحات اور جائے نماز بھی چین سے آتے ہیں اور ہمارے احرام اور کفن بھی جرمن مشینوں پر تیار ہوتے ہیں' ہم مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ حقیقت ہے دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمان صارف سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے' یورپ نعمتیں ایجاد کرتا ہے' بناتا ہے' اسلامی دنیا تک پہنچاتا ہے اور ہم استعمال کرتے ہیں اور اس کے بعد بنانے والوں اور ایجاد کرنے والوں کو آنکھیں نکالتے ہیں' آپ یقین کیجئے جس سال آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نے سعودی عرب کو بھیڑیں دینے سے انکار کر دیا اس سال مسلمان حج پر قربانی نہیں کر سکیں گے اور جس دن یورپ اور امریکا نے اسلامی دنیا کو گاڑیاں' جہاز اور کمپیوٹر بیچنا بند کر دیئے ہم اس دن گھروں میں محبوس ہو کر رہ جائیں گے' ہم شہر میں نہیں نکل سکیں گے' یہ ہیں ہم اور یہ ہے ہماری اوقات لیکن آپ کسی دن اپنے دعوے سن لیں۔

آپ ان نوجوانوں کے نعرے سن لیں جو میٹرک کا امتحان پاس نہیں کر سکے' جنہیں پیچ تک نہیں لگانا آتا اور جس دن ان کے بوڑھے والد کی دیہاڑی نہ لگے اس دن ان کے گھر چولہا نہیں جلتا' آپ ان کے نعرے' ان کے دعوے سن لیجئے' یہ لوگ پوری دنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرانا چاہتے ہیں' یہ اغیار کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں' آپ اپنے علماء کرام کی تقریریں بھی سن لیجئے' یہ اپنے مائیک کی تار ٹھیک نہیں کر سکتے' یہ اللہ اور اللہ کے رسول ؐ کا نام بھی اپنے مریدوں تک مارک زکر برگ کی فیس بک کے ذریعے پہنچاتے ہیں' یہ لوگوں کو تھوکنے کی تمیز تک نہیں سکھا سکے' یہ آج تک ابن تیمیہ' ابن کثیر' امام غزالی اور مولانا روم سے آگے نہیں بڑھ سکے' پورے عالم اسلام میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جو ابن عربی کو سمجھنے کا دعویٰ کر سکے' ابن ہشام اور ابن اسحاق بھی ہم تک آکسفورڈ پرنٹنگ پریس کے ذریعے پہنچے تھے اور ابن رشد بھی ہمیں یورپ کے سکالرز نے سمجھایا تھا لیکن آپ علماء کرام کی تقریریں سن لیں آپ کو محسوس ہو گا نعوذ باللہ' نعوذ باللہ پوری کائنات کا نظام مولانا اللہ دتہ چلا رہے ہیں' یہ جس دن حکم دے دیں گے اس دن سورج طلوع نہیں ہو گا اور یہ جس دن فرما دیں گے اس دن زمین پر اناج نہیں اُگے گا' ہم نے آخر آج تک کیا کیا ہے؟ ہم کس برتے پر خود کو دنیا کی عظیم ترین قوم سمجھتے ہیں! مجھے آج تک اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ ہم اگر دل پر پتھر رکھ کر یہ حقیقت مان لیں تو پھر ہمیں پتہ چلے گا ہماری حرام خوری ہمارے جینز کا حصہ بن چکی ہے' آپ اپنے اردگرد نظر ڈالئے' آپ کو پاکستان کے ہر خاندان میں کوئی ایک شخص کام کرتا دکھائی دے گا' وہ پورے خاندان کی ضروریات پوری کر رہا ہو گا' باقی لوگ اس کے بچھائے دسترخوان پر حرام خوری بھی کر رہے ہوں گے اور اسے گالیاں بھی دے رہے ہوں گے' آپ کسی دن اس خاندان کے حرام خوروں کی گفتگو سن لیں' آپ کو یہ لوگ یہ کہتے ہوئے ملیں گے'' آخر اس نے ہمارے لئے کیا کیا ہے؟'' آپ کو پورے شہر میں کوئی ایک شخص ترقی کرتا ملے گا اور پورا شہر اُسے گالیاں دے رہا ہو گا' ہمارے ڈیڑھ لاکھ افسروں میں دس سال میں کوئی ایک کام کا افسر پیدا ہوتا ہے اور پھر پورا ملک اسے پکڑ کر پھینٹی لگاتا ہے' آپ کسی دن ملک کے محسنوں کی تاریخ بھی نکال کر دیکھ لیجئے' آپ کو قائداعظم' لیاقت علی خان' سردار عبدالرب نشتر' خواجہ ناظم الدین' راجہ صاحب محمود آباد' ایوب خان' ڈاکٹر عبدالقدیر اور عبدالستار ایدھی' ظفر اللہ خان' ڈاکٹر عبدالسلام تک ملک کے ہر محسن کی آنکھوں میں آنسو ملیں گے' آپ کو ملک کا ہر وہ شخص دکھی ملے گا جس نے تاریخ کے دسترخوان پر حرام خوری سے انکار کر دیا تھا' جس نے قوم کو قوم بنانے کی غلطی کر دی تھی' اسلامی دنیا ہزار سال سے یہ غلطی دوہرا رہی ہے اور ہم پاکستانی مسلمان ستر سال سے یہ کھیل کھیل رہے ہیں' ہم ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہیں جس میں ہم نے آج تک ملک توڑنے والوں کا احتساب نہیں کیا' ہم نے کارگل کے ذمہ داروں کا تعین نہیں کیا' ہم نے آج تک شوکت عزیز جیسے ان لوگوں کو بھی طلب نہیں کیا جو باہر سے آئے' وزیراعظم بنے' شیروانی اُتاری اور واپس چلے گئے اور ہم نے آج تک ان لوگوں سے بھی حساب نہیں مانگا جنہوں نے پوری زندگی تنکا دوہرا نہیں کیا لیکن ہم حرام خوری کے اس دسترخوان پر کھانے کی ایک ڈش رکھنے والوں کو عبرت کی نشانی بنا رہے ہیں' ہم ان کا احتساب کر رہے ہیں' ہم واقعی سچے اور کھرے مسلمان ہیں۔ ***

یقین باللہ

رجل خوشاب

عبداللہ طاہر جب خراسان کے گورنر تھے اور نیشاپور اس کا دارالحکومت تھا تو ایک لوہار شہر ہرات سے نیشاپور گیا اور چند دنوں تک وہاں کاروبار کیا۔ پھر اپنے اہل وعیال سے ملاقات کے لئے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا اور رات کے پچھلے پہر سفر کرنا شروع کر دیا۔ ان ہی دنوں عبداللہ طاہر نے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ شہر کے راستوں کو محفوظ بنائیں تاکہ کسی مسافر کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ سپاہیوں نے اسی رات چند چوروں کو گرفتار کیا اور امیر خراسان (عبد اللہ طاہر) کو اسکی خبر بھی پہنچادی لیکن اچانک ان میں سے ایک چور بھاگ گیا۔ اب یہ گھبرائے اگر امیر کو معلوم ہوگیا کہ ایک چور بھاگ گیا ہے تو وہ ہمیں سزا دے گا۔ اتنے میں انہیں سفر کرتا ہوا یہ (لوہار) نظر آیا۔ انھوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر اس بیگناہ شخص کو فوراً گرفتار کرلیا اور باقی چوروں کے ساتھ اسے بھی امیر کے سامنے پیش کر دیا۔ امیر خراسان نے سمجھا کہ یہ سب چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں اس لئے مزید کسی تفتیش وتحقیق کے بغیر سب کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ نیک سیرت لوہار سمجھ گیا کہ اب میرا معاملہ صرف اللہ جل شانہ کی بارگاہ سے ہی حل ہوسکتا ہے اور میرا مقصد اسی کے کرم سے حاصل ہوسکتا ہے لہٰذا اس نے وضو کیا اور قید خانہ کے ایک گوشہ میں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ ہر دو رکعت کی بعد سر سجدہ میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رِقت انگیز دعائیں اور دل سوز مناجات شروع کر دیتا اور کہتا۔ ''اے میرے مالک! تو اچھی طرح جانتا ہے میں بے قصور ہوں''۔ جب رات ہوئی تو عبداللہ طاہر نے خواب دیکھا کہ چار بہادر اور طاقتور لوگ آئے اور سختی سے اس کے تخت کے چاروں پایوں کو پکڑ کر اُٹھایا اور الٹنے لگے اتنے میں اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے فوراً لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا۔ پھر وضو کیا اور اس احکم الحاکمین کی بارگاہ میں دو رکعت نماز ادا کی جس کی طرف ہر شاہ وگدا اپنی اپنی پریشانیوں کے وقت رجوع کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ سویا تو پھر وہی خواب دیکھا اس طرح چار مرتبہ ہوا۔ ہر بار وہ یہی دیکھتا تھا کہ چاروں نوجوان اس کے تخت کے پایوں کو پکڑ کر اُٹھاتے ہیں اور اُلٹنا چاہتے ہیں۔ امیر خراسان عبداللہ طاہر اس واقعہ سے گھبرا گئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ ضرور اس میں کسی مظلوم کی آہ کا اثر ہے جیسا کہ کسی صاحب علم ودانش نے کہا ہے:

نکند صد ہزار تیر وتبر　　آنچہ یک پیرہ زن کند بہ سحر

ای بسا نیزہ عدد شکناں　　ریزہ گشت از دعاے پیرزناں

یعنی لاکھوں تیر اور بھالے وہ کام نہیں کر سکتے جو کام ایک بڑھیا صبح کے وقت کر دیتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ دشمنوں سے مردانہ وار مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے والے، بوڑھی عورتوں کی بددعا سے تباہ وبرباد ہوگئے۔ امیر خراسان نے رات ہی میں جیلر کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ! تمہارے علم میں کوئی مظلوم شخص جیل میں بند تو نہیں کر دیا گیا ہے؟ جیلر نے عرض کیا۔ عالیجاہ! میں یہ تو نہیں جانتا کہ مظلوم کون ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جو جیل میں نماز پڑھتا ہے اور رِقت انگیز و دل سوز دعائیں کرتا ہے۔ امیر نے حکم دیا: اسے فوراً حاضر کیا جائے۔ جب وہ شخص امیر کے سامنے حاضر ہوا تو امیر نے اس کے معاملہ کی تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ وہ بے قصور ہے۔ امیر نے اس شخص سے معذرت کی اور کہا: آپ میرے ساتھ تین کام کیجئے۔ نمبر ۱۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ نمبر ۲۔ میری طرف سے ایک ہزار درہم قبول فرمائیں۔ نمبر ۳۔ جب بھی آپ کو کسی قسم کی پریشانی درپیش ہو تو میرے پاس تشریف لائیں تاکہ میں آپ کی مدد کرسکوں۔ نیک سیرت لوہار نے کہا: آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں آپ کو معاف کردوں تو میں نے آپ کو معاف کر دیا اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ ایک ہزار درہم قبول کرلوں تو وہ بھی میں نے قبول کیا لیکن آپ نے جو یہ کہا ہے کہ جب مجھے کوئی مشکل درپیش ہو تو میں آپ کے پاس آؤں، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ امیر نے پوچھا: یہ کیوں نہیں ہوسکتا؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ وہ خالق و مالک جل جلالہ جو مجھ جیسے فقیر کے لئے آپ جیسے بادشاہ کا تخت ایک رات میں چار مرتبہ اوندھا کرسکتا ہے تو اسکو چھوڑ دینا اور اپنی ضرورت کسی دوسرے کے پاس لے جانا اُصولِ بندگی کے خلاف ہے۔ میرا وہ کون سا کام ہے جو نماز پڑھنے سے پورا نہیں ہوجاتا کہ میں اسے غیر کے پاس لے جاؤں۔ یعنی جب میرا سارا کام نماز کی برکت سے پورا ہوجاتا ہے تو مجھے کسی اور کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ (ریاض الناصحین: ۱۰۵، ۱۰۴)

***

عظیم سکالر، ادیب وشاعر ساحرؔ شیوی - ایک نظر میں

نام ۔ عبداللہ ۔ادبی نام ۔ساحرؔ شیوی۔ولدیت۔ محمد ۔ ولادت۔۲۹/ دسمبر ۱۹۳۶ء۔مقامِ پیدائش ۔ شیوٗ ، تعلقہ کھیڈ ،ضلع رتنا گیری ، کوکن ، مہاراشٹر (بھارت) تعلیم ۔ ایس۔ایس۔سی (Secondary School Certificate) ہجرت در ہجرت۔ ۱۸/ مارچ ۱۹۵۴ء (نیروبی، کینیا، مشرقی افریقہ) ۷/ جولائی ۱۹۶۴ء (کراچی، پاکستان) ۱/اپریل ۱۹۶۷ء (نیروبی، کینیا) بی ۲۷/ جون ۱۹۹۴ء (تاحال لیوٹن، برطانیہ) تلمیذ بی: مولانا قمر نعمانی سہسرامی (تلمیذ علامہ سیمابؔ اکبرآبادی) بی: جناب کالی داس گپتا رِضا (تلمیذ جوشؔ ملسیانی) ذریعہ معاش بی: نیروبی کینیا میں ٹرانسپورٹ۔ برطانیہ میں پرنٹنگ (ناتجربہ کاری کے سبب ایک سال میں بند کرنا پڑا، نیروبی میں پانچ قاتلانہ حملوں کے بعد گوشہ نشینی) خانہ آبادی: ۱۱/ستمبر ۱۹۶۵ء ہمراہ صفیہ سلطانہ بنت شمس الدین اسماعیل ونکر اولاد یس بی: کلیم الزمان (بیٹا) ۷/ستمبر ۱۹۷۵ء کے ایک ہوائی جہاز کے حادثے میں تیرہ سال کی عمر میں افریقہ کے گھنے جنگلوں میں لاپتہ ہوگیا۔ابھی تک اس کا انتظار ہے۔ حِنا روبین (بیٹی) نجستہ مبین (بیٹی) رافد (بیٹا) یہ تمام شادی شدہ ہیں۔لمحۂ موجود:

اُردو زبان وادب کی خدمت

صدر بی: کوکن اردو رائٹر گلڈ (۱۹۷۵ء تاحال) نائب صدر بی: کینیا اُردو سیلز نیروبی (۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۴ء) صدر بی: یورپی اُردو راکٹرز سوسائیٹی (۱۹۹۹ء تاحال) زبی: (۱) اُردو ٹرسٹ برطانیہ (۲) کوکنی مسلم کمیونٹی لیوٹن سابق صدر بی: کوکن مسلم ورلڈ فاؤنڈیشن برطانیہ نائب صدر بی: انٹرنیشنل کمیٹی (بہادر شاہ ظفر کو رنگون سے دہلی لانا اور اُن کی تدفین کرنا) اعزاز واعتراف بی: مہاراشٹر اُردو اکیڈمی (صحرا کی دُھوپ) ۱۹۸۸ بجشنِ ساحر شیوی ڈنمارک (۱۹۸۸ء) صحرائے افریقہ میں اُردو کا نقیب (اعزاز یہ خطاب بہ زبان فیض احمد فیضؔ): ادیب انٹرنیشنل گولڈ ایوارڈ (ساحرؔ کلچرل اکادمی، لدھیانہ، پنجاب، ۲۰۰۰ء) بیسٹ پوئٹ آف یوروپ (ڈنمارک، اکتوبر ۲۰۰۲ء) چھوٹے موٹے انعامات واعزازات کی طویل فہرست بخش لائل پوری برطانیہ نے، مجاہد اُردو ادب، کے اعزازیہ خطاب سے نوازا۔آنریری اپائنٹ منٹ ٹو ریسرچ بورڈ آف ایڈوائزری بائی دی امریکن بایو گرافیکل انسٹی ٹیوٹ عقیل دانش نے ہشت پہلو قلم کار اور برطانیہ میں اُردو کا علمبردار کے اعزازیہ خطاب سے نوازا۔جشنِ ساحرؔ شیوی، جے پور اور بزمِ شعورِ ادب، جے پور، راجستھان نے کبیر ایوارڈ، سفیرِ اُردو، مجاہد اُردو، محسنِ اُردو اور سپاسنامے سے نوازا۔

The Order of Merit of LESZEK, The Seconday merit Award" Urdu Poetic, Technics"

Constantinople Orthodox Institute , Doctor Honoris Causa of the Institute.

پولینڈ کے ادارے کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری

ماہنامہ، نقشِ کوکن، ممبئی کا، اُردو کا پہلا دیوانہ ایوارڈ، پانچ ہزار روپیوں پر مشتمل آل انڈیا مشاعرہ لدھیانہ میں برطانیہ کی جانب سے شرکت ۲۰۰۹ء

جشنِ ساحرؔ شیوی علی گڑھ ۲۰۰۹ء، ۲/مئی ۲۰۰۹ء، سنیچر، بمقام کنیڈی آڈیٹوریم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں سپاسنامہ اورانعامات پیش کئے گئے۔بی پونہ میں جشنِ ساحرؔ شیوی پر اسباق پبلی کیشنز کی جانب سے ایوارڈ۔ ۲۱/اکتوبر ۲۰۰۸ء جرمنی میں کوکن کا فردوسی، کے خطاب سے نوازا گیا اور شیلڈ دی گئی۔ ۳۰/جون ۲۰۱۱ء کو ڈاکٹر ساحرؔ شیوی ایئر انڈیا کے ذریعہ ٹورنٹو کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں وہ محترم تسلیم الٰہی زلفی کی دعوت پر عالمی مشاعرہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔ ۴/جولائی کو حویلی ریسٹورنٹ ٹورینٹو میں، شامِ ساحرؔ کا اہتمام کیا گیا۔

مرکزِ علم ودانش، نئی دہلی نے ڈاکٹر ساحرؔ شیوی کو فیض احمد فیض ایوارڈ برائے اُردو شعری خدمات دیا۔ (یکم نومبر ۲۰۱۲ء) حمد ونعت اکیڈمی، نئی دہلی نے ساحرؔ صاحب کے نعتیہ شعری خدمات کے اعتراف میں، حضرت حسان ایوارڈ سے نوازا۔ سیما جبار، صدر بزمِ شعرو ادب (یوکے) کی جانب سے 'مغربی ممالک میں اُردو کے نقیب، محترم ساحرؔ شیوی کو اُردو زبان وادب کے بے دریغ فروغ کے سلسلے میں ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ (۶/جولائی ۲۰۱۳ء، لندن) میمونہ علی چوگلے، صدر کوکن لٹریری سرکل، کویت کی جانب سے محترم ساحرؔ شیوی صاحب کو ان کی پچاس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں خراجِ تحسین اور شاندار شیلڈ پیش کی گئی۔

(۱۴/مارچ ۲۰۱۴ء)

***

چیف جسٹس آف پاکستان اور ناقدین

لوگ چیف جسٹس ثاقب نثار کے ایکٹوازم پر تنقید کر رہے ہیں، کیمیکل والے دودھ اور زہریلے منرل واٹر پر پابندی لگانے، جعلی ادویات کے خلاف آپریشن، دونمبر کالجوں کو روکنے، ہسپتالوں کے دورے کر کے مریضوں کو ریلیف دینے جیسے کاموں کو ہدف تنقید بناتے ہیں، ان کا یہ مقصد قطعی نہیں کہ چیف جسٹس اپنے عدالتی کاموں پر توجہ دیں اور انصاف کا کوئی حیران کن تیز رفتار نظام بنا ڈالیں۔ چیف جسٹس صاحب کے ناقدین سمجھدار لوگ ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ پولیس اور پراسیکوشن کا نظام ٹھیک کئے بغیر عدالتی نظام دُرست نہیں ہوسکتا، عدالتوں پر کام کا بوجھ کم کئے بغیر فیصلے جلدی نہیں آسکتے اور یہ تینوں کام (پولیس اور پراسیکوشن کی دُرستگی، ورک لوڈ کی کمی) صرف انتظامیہ ہی کرسکتی ہے۔ یہ تنقید کرنے والے حرام ہے کبھی پولیس کی تفتیش دُرست کرنے، پراسیکوشن سسٹم کی اصلاح کی بات کریں۔ یہ ان کا ایشو ہی نہیں۔ چیف جسٹس صاحب پر تنقید صرف اس لئے کی جارہی ہے کہ ان کے کاموں سے انتظامیہ یعنی ن لیگی حکومت کی انتظامی کمزوریاں اور نااہلی عیاں ہو رہی ہے۔ حکومت کے پسندیدہ انتظامی افسران کو عدالت میں شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے۔ انتظامیہ کی اس شرمساری اور ندامت سے بچانے کے لئے یہ ناقد حضرات چیف جسٹس پر چڑھائی کئے ہوئے ہیں۔ ان تنقید کرنے والوں کا یہ مقصد ہے کہ چیف جسٹس صاحب خاموشی سے سوئے رہیں اور اپنا ٹینور پورا کر کے چلتے بنیں، تب کسی نے کوئی اعتراض نہیں کرنا۔ آج تک ان ناقدین میں سے کسی نے یہ سوال اُٹھایا کہ سابق چیف جسٹس صاحبان جنہوں نے جوڈیشل ایکٹوازم سے کام نہیں لیا، وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتے رہے، انہوں نے کس حد تک انصاف فراہم کیا؟ نہیں، یہ سوال کسی نے نہیں کیا، کوئی کرے گا بھی نہیں۔ جوڈیشل ایکٹوازم کے بیشتر ناقدین کو سابق چیف جسٹس صاحبان جسٹس تصدق جیلانی، ناصر الملک، جسٹس جمالی وغیرہ سے کوئی ایشو نہیں رہا۔ کسی نے ان کا محاسبہ نہیں کیا کہ صاحب آپ تو عدالت میں بیٹھے رہتے تھے، کبھی کسی ہسپتال میں جا کر وقت ضائع بھی نہیں کرتے تھے، پھر عدالتی اصلاحات کیوں نہیں ہوئیں، انصاف کیوں نہیں ارزاں ہوا؟ ثاقب نثار صاحب بھی خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہیں، سال ڈیڑھ جو رہتا ہے، سکون سے گزاریں اور خاموشی سے لوٹ مار ہوتی رہنے دیں، اسے ٹھیک کرنے کی قطعی کوشش نہ کریں، تب کسی قانون پسند، انصاف پسند شہری کو ان سے کوئی مسئلہ نہیں۔

ایک سچا اور عبرت آموز واقعہ

خطیب العصر حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دین پوریؒ کی کتاب سے: میں چیچہ وطنی (پنجاب) سے تقریر کر کے جارہا تھا کچھ ساتھی ساتھ تھے، ایک آدمی کو دیکھا چار پائی پر بیٹھا تھا، مکھیاں اس کے پاس بھنبھنا رہی تھیں، عجیب حالت تھی؛ چہرہ زرد ہے، غبار و گرد ہے، عجیب درد نہ اس کا کوئی ہمدرد ہے، مجھے سمجھ نہ آئی یہ کون ہے، میں اس کے قریب گیا تو کہنے لگا او مولانا! ادھر تشریف لائیں، پیلے دانت ہڈیوں کا ڈھانچہ کمزور سانچہ، اس کے پاؤں پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، اس نے کہا مجھے عبرت سے دیکھو، ابھی آپ کی تقریر کی آواز یہاں آرہی تھی اور میں سن رہا تھا، کہنے لگا یہاں میرا مکان تھا، دوکان تھی، کاروبار تھا، میں کون تھا میں ایک شیر جیسا انسان تھا، لیکن اب بھیک مانگتا ہوں اور اب کوئی بھیک بھی نہیں دیتا، بلکہ مجھ پر لوگ لعنت کرتے ہیں، کہنے لگا غور سے سننا، عبرت کی بات بتا رہا ہوں، اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کافی دیر تک روتا رہا، کہنے لگا میں وہ بدنصیب ہوں جس نے اپنی ماں کے چہرے پر جوتے مارے ہیں، (استغفراللہ) کہنے لگا ایک رات اپنے بدکردار غنڈے دوستوں کے ساتھ سینما دیکھنے گیا واپسی پر گھر پہنچ کر ماں سے کھانا مانگا، تو ماں نے شرم دلائی، ساری رات آوارہ گردی کرتا ہے کبھی پولیس پکڑتی ہے، نہ تمہارا باپ ایسا تھا نہ دادا اور نہ یہ تیری ماں ایسی ہے، تو کن غنڈوں میں پھنس گیا ہے، اس نے اپنی ممتا کا غصہ اُتارا مجھ پر بس مجھے غصہ آیا اور جوتا لے کر ماں کو مارنے لگا، اس میں دو جوتے اس کے منہ پر لگے، ماں کے منہ سے اتنی آواز سنی، اے عرش والے! اس لیئے بچہ دیا تھا کہ آج میں جوتے کھا رہی ہوں، اے رب مجھے اپنے پاس بلالے، اب مزید جوتے نہیں کھا سکتی، اے رب جس نے ماں کے منہ پر جوتے مارے اس کتے کو تو دنیا اور آخرت میں برباد کردے۔

کہنے لگا اس وقت ماں کی ان باتوں کو سن کر سو گیا، رات پاؤں میں ایک درد اُٹھا، پاؤں لرزنے لگا، صبح تک پاؤں سوجھ کر بہت موٹا ہوگیا، ڈاکٹروں کو دکھایا

لاہور گیا ملتان نشتر ہسپتال گیا، آخر پاؤں کاٹنا پڑا اور پھر مسلسل پاؤں کٹتے گئے کٹتے گئے! اس نے اپنے پاؤں کے حصے سے کپڑا اُٹھایا بہت پیپ بہہ رہی تھی، کہنے لگا یہ زخم نہیں ماں کی بد عا ہے اللہ کا قہر ہوا مجھ پر، ماں تو رو رو کر ایک ہفتے میں چل بسی، جائداد گئی، مال گیا، بیوی گئی، بیٹے گئے، 4 سال سے یہاں پڑا ہوں، پیپ مسلسل بہہ رہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت کتے کاٹ رہے ہیں، نیند نہیں آتی، گزرنے والے کہتے ہیں یہ وہ لعنتی ہے جس نے اپنی ماں کو جوتوں سے مارا ہے، کتے کی طرح میرے سامنے روٹی پھینکتے ہیں، بیٹوں کو بلاتا ہوں نہیں آتے ابا نہیں کہتے، کہنے لگا مولانا مجھے روٹھا رب راضی کرادو، ماں کے ایک لفظ نے اللہ کے قہر سے مجھے برباد کر دیا اتنا کہہ کر وہ گر پڑا اور روتا رہا، پھر اس نے آنکھ نہ کھولی، مولانا فرماتے ہیں، خدا کی قسم یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اے اللہ تو ہمیں والدین کا فرمانبردار بنا دے آمین (خوب آگے بھیجوں شاید کوئی نافرمان موت سے پہلے توبہ کرلے) اور اپنے اللہ کو راضی کرلیں اور ماں باپ کیلئے دعاء خیر شروع کردے آمین۔

سوچئے گا ضرور

جس ملک میں لاکھوں لوگ تبلغی اجتماعات میں جاتے ہوں۔ جہاں لاکھوں لوگ دعوت دین کے لیے سفر کرتے ہوں۔ جہاں سے لاکھوں لوگ بیت اللہ عمرہ اور حج کے لیے جاتے ہوں۔ میلاد النبیؐ کے موقع پر ہر شہر میں جلوسوں میں لاکھوں لوگ شامل ہوں جس ملک میں ہر رات لاکھوں محافل میلاد اور دروس قرآن ہوتے ہوں۔ جس ملک میں یوم عاشور والے دن لاکھوں لوگ غمِ حسین میں عزاداری کرتے ہوں. جس ملک میں عید اور جمعہ کے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہوں. جس ملک میں تسبیحات پڑھنے والے لاکھوں میں اور درود وسلام کی تعداد اَربوں میں ہو. وہ ملک ایمانداری میں دنیا میں 160 ویں نمبر پر آئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان عبادات اور ریاضتوں کا فائدہ کیا جس میں عبادت اور ریاضت کی بنیادی رُوح ایمانداری ہی نہیں پیدا ہو رہی. ہم کس کو دھوکہ دے رہے ہیں خود کو یا پھر اپنے خدا کو؟

پاکستان کا پہلا قومی ترانہ کیوں مسترد ہوا؟

پاکستان کا پہلا قومی ترانہ جگن ناتھ آزاد نے لکھا تھا۔ وہ اردو اور پنجابی کے شاعر تھے، لیکن ہندو تھے۔ انہوں نے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی فرمائش پر پاکستان کا پہلا قومی ترانہ رقم کیا تھا۔ قائدِ اعظم نے 9 اگست 1947ء کو مسٹر جگن آزاد سے کہا کہ وہ پانچ دن کے اندر اندر قومی ترانہ لکھیں۔ جب ترانہ لکھ لیا گیا تو قائدِ اعظمؒ نے فوری طور پر اس کی منظوری دی اور یہ ترانہ ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔ یہی ترانہ سرکاری سطح پر پاکستان کے قومی ترانہ کے طور پر پہلے ڈیڑھ سال استعمال ہوا۔ لیکن بابائے قوم کی وفات کے بعد اس کو ترک کر دیا گیا۔ بعد میں قومی ترانہ کمیٹی نے ابوالاثر حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا ترانہ۔ پاک سرزمین شاد باد... کو نافذ کیا، جو پہلے سے تیار شدہ دھن پر بنایا گیا تھا۔ جگن ناتھ آزاد کے لکھے ہوئے اولین قومی ترانے کے مصرعے یہ تھے۔

اے سرزمینِ پاک! ذرّے تیرے ہیں آج ستاروں سے تابناک
روشن ہے کہکشاں سے کہیں آج تیری خاک
تندیِ حاسداں پہ ہے غالب تیرا سواک
دامن وہ سل گیا ہے جو تھا مدّتوں سے چاک... اے سرزمینِ پاک!
اب اپنے عزم کو ہے نیا راستہ پسند اپنا وطن ہے آج زمانے میں سربلند
پہنچا سکے گا اسکو نہ کوئی بھی اب گزند
اپنا علَم ہے چاند ستاروں سے بھی بلند
اب ہم کو دیکھتے ہیں عطارد ہو یا سماک اے سرزمینِ پاک!
اُترا ہے امتحاں میں وطن آج کامیاب
اب حریت کی زُلف نہیں محو پیچ و تاب
دولت ہے اپنے ملک کی بے حد و بے حساب
ہوں گے ہم اپنے ملک کی دولت سے فیضیاب
مغرب سے ہم کو خوف نہ مشرق سے ہم کو باک...
اے سرزمینِ پاک!
اپنے وطن کا آج بدلنے لگا نظام...
اپنے وطن میں آج نہیں ہے کوئی غلام
اپنا وطن ہے راہ ترقی پہ تیز گام... آزاد، بامراد، جواں بخت شادکام
اب عطر بیز ہیں جو ہوائیں تھیں زہرناک... اے سرزمینِ پاک!
ذرّے تیرے ہیں آج ستاروں سے تابناک
روشن ہے کہکشاں سے کہیں آج تیری خاک... اے سرزمینِ پاک

کہا جاتا ہے کہ پہلے ترانے کو اس لئے مسترد کر دیا گیا کہ وہ ایک ہندو نے لکھا تھا۔

فلاحی ریاست کا فارمولہ دانشور

سلیم زارلالہ نے اپنے انٹرویو میں بیان کیا۔

سوال: ملک کوفلاحی ریاست بنانے کا کوئی فارمولہ ہے؟

جواب 11 اگست 1947ء کوبانی پاکستان نے دستورساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے جوسمت متعین کی تھی اس آئین کا دیباچہ بنایا جائے، مملکت کے کاروبار سے مذہب کا تعلق ختم کردو، ملک خودبخود ویلفیئر سٹیٹ بن جائے گا۔محمدعلی جناح نے سرظفراللہ خان اور جوگندرناتھ منڈل کواہم ترین انتظامی ذمہ داریاں سونپ کرواضح کردیا تھا کہ اس ملک کے تمام شہری بلاتفریق رنگ ونسل اورعقیدہ برابر ہوں گے۔

سوال: آئین میں تواب بھی یہ بات موجود ہے پھراسلامی جمہوریہ پاکستان سے اختلاف کیسا؟ جواب۔صرف لیبل رُوح افزاء کا ہے،غیرمسلم پاکستانی شہری ملک کا صدر یاوزیراعظم کیوں نہیں بن سکتا،قراردادمقاصد نے انسانی مساوات کے تصوراور جمہوری بنیادکونقصان پہنچایا،جاگیردارانہ نظام کی جڑیں اس سے مضبوط ہوئیں ،ہرقسم کے استحصال سے پاک سماجی انصاف پرمبنی ایک غیرطبقاتی سماج کا قیام اس ملک کی بقاکے لئے ناگزیر ہے،ترقی تب ہی ممکن ہوگی جب جاگیرداری کا خاتمہ اورسوشل ازم کارواج ہوگا،تمام مسائل کاحل ایک سیکولرنظام ہے۔

(ہفت روزہ ہم شہری 5جنوری 11 جنوری صفحہ 27-26)

قیام پاکستان کے حامی اورمخالف حلقے

قیوم نظامی اپنے کالم منظرنامہ میں مندرجہ بالاعنوان سے لکھتے ہیں۔ کانگرس تقسیم ہندکی مخالف سب سے بڑی جماعت تھی۔کانگرس میں شامل مسلمان جن کی قیادت مولانا ابوالکلام آزادکررہے تھے۔مسلم لیگ کے سیاسی نظریے کے خلاف تھے اورمتحدہ ہندوستانی نیشنل ازم کے حامی تھے۔جمعیت علمائے ہندکابڑاحصہ جومذہبی سکالروں پرمشتمل تھاقیام پاکستان کے کہ ہندوستان میں رہتے تھی خلاف تھاان کی سوچ یہ ہوئے مسلمانوں کے سیاسی اورمعاشی مفادات کادفاع کیاجائے۔قیام پاکستان کے کٹرمخالف علماء میں مفتی کفایت اللہ اورمولاناحسین احمدمدنی شامل تھے۔جمعیت العلمائے ہندکے دوجریدوں مدینہ (بجنور)اورالجمیعۃ (دہلی) نے کانگرس کامقدمہ لڑا۔ایک مستندرپورٹ کے مطابق مولانا کفایت اللہ اورمولاناحسین احمدمدنی نے قائداعظم سے پاکستان کامقدمہ لڑنے کے لئے چندہ طلب کیا اور قائداعظم کے انکارپروہ کانگرس کے اتحادی بن گئے۔مجلس احراراسلامی نے عطاءاللہ شاہ بخاری اورچوہدری افضل حق کی قیادت میں مسلم لیگ کی مخالفت کی۔مجلس احرارہندوستان کی آزادی اوراسلامی نظام کے نفاذکے لئے جدوجہدکررہی تھی اس نے کانگرس کاساتھ دیا۔خدائی خدمتگار(ریڈشرٹ) خان عبدالغفارخان جوخیبرپختونخواہ میں بااثرتھے اورمہاتماگاندھی سے متاثرتھے۔قیام پاکستان کےسخت مخالف تھے۔خان عبدالغفارخان کو''سرحدی گاندھی'' کے نام سے بھی یادکیاجاتاتھا۔خدائی خدمت گارتنظیم کابنیادی سیاسی فلسفہ انسانیت کی خدمت اورعدم تشددتھا۔علامہ عنایت اللہ مشرقی کی سربراہی میں قائم کی گئی''خاکسارتحریک'' بھی مسلم لیگ کی نظریاتی مخالف تھی۔''خاکسار'' اسلامی روایات کے احیاء کے لئے جدوجہدکرتے تھے۔خاکسارتحریک کے ترجمان جریدے الاصلاح (لاہور)نے پنجاب میں مسلم لیگ کی ڈٹ کرمخالفت کی۔جماعت اسلامی جس کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھےدوقومی نظریے کےحامی تھےمگرمسلم لیگ کےمخالف تھے۔

(نوائے وقت لاہور 22 نومبر 2014ء)

فکری سوتے اب خشک

جناب خورشیدندیم نے اپنے کالم تکبیرمسلسل میں زیرعنوان ''ذرا ٹھہریئے'' میں جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع کاپروگرام دیکھ کرتحریرکیا۔ احساس ہوتاہے کہ اجتماع سے قبل سوچ بچارکاعمل نہیں ہوا۔میں نے جب اس کاتفصیلی پروگرام دیکھاتواس میں ایک سیشن بھی ایسانہیں تھاجومیرے لئے باعث کشش ہوتا۔جماعت کے صوبائی اورمرکزی امیرکی تقاریرسننے کیلئے، آخرکوئی اتناطویل سفرکیوں کرے؟اخوان کے ایک راہنماکے سوا، شایداس اجتماع میں کوئی بات ایسی نہ تھی جومجھے جانب متوجہ کرتی۔میں اس پروگرام کودیکھ کریہ اندازہ نہیں کرسکا کہ ایک اسلامی تحریک عہدنومیں پاکستانی قوم کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویزکرنے جارہی ہے۔پروگرام زبان حال سے پکارپکارکریہ کہہ رہاتھا کہ جماعت کےفکری سوتے اب خشک ہوچکے۔

(روزنامہ دنیافیصل آباد 26جنوری 2015ء)

قائداعظم کی سوچ درست ثابت ہوئی

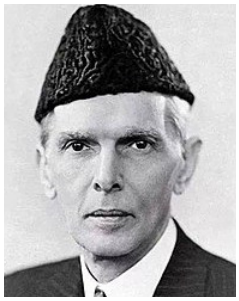

جناب قیوم نظامی نے قائداعظم کے اتاترک سے متاثر ہونیکی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا۔ قائد اعظم کو اتاترک کی شخصیت کے کئی پہلو پرکشش نظر آئے۔اتاترک لباس کے معاملے میں بڑے نفاست پسند تھے۔ قائداعظم کا لباس بھی دیدہ زیب اور پرکشش ہوتا تھا۔جدید ترقی کا قیام اتاترک کی زندگی کا نصب العین تھا۔قائداعظم نے مسلمانوں کے لئے جدید جمہوری پاکستان کا حصول اپنی زندگی کا مشن بنایا۔اتاترک نے کہا''میں عوامی رائے یا تاثر کے لئے کام نہیں کرتا میں قوم کے لئے اور اپنے اطمینان کے لئے کام کرتا ہوں۔'' قائداعظم بھی بے مثال زمانے کے دوسرے لیڈروں کی طرح عوام کے وقت اور عارضی جذبے اور جوش سے متاثر نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی نگاہیں منزل مقصود پر رہتی تھیں اور عوامی جذبات کے ٹریپ میں آنے کی بجائے عوام کی راہنمائی کرتے تھے۔آخرکار عوام بھی تسلیم کرتے کہ قائد کی رائے درست تھی۔اتاترک کے سیاسی اصولوں کی بنیاد منصوبہ بندی تنظیم عمل اور سیاسی زندگی تھی قائداعظم کی سیاسی زندگی میں بھی یہی اصول نمایاں نظر آتے تھے۔ قائداعظم نے بھی اخلاقی ہتھیار سے ہی پاکستان کی جنگ لڑی۔علامہ اقبال نے کہا تھا قائداعظم کو نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ کرپٹ کیا جاسکتا ہے...قائداعظم نے تحریک خلافت سے خود کو الگ تھلگ رکھا۔مذہبی رہنما مہاتما گاندھی کی قیادت میں اکٹھے ہوگئے۔قائداعظم نے اس موقع پر کہا''مذہب کو سیاست میں شامل کرنا ایک جرم تھا جس کا مظاہرہ گاندھی نے کیا۔'' اتاترک نے اقتدار سنبھال کر مذہبی امور کی وزارت ختم کردی اور مساجد کے خطبے سے خلیفہ کا نام حذف کردیا۔ خطبے میں کہا گیا ''اے خدا ہماری ری پبلکن حکومت اور مسلمان قوم کی مدد کیجئے۔ مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ فرمائیے اور اسلام کے اس پرچم کو تمام پرچموں میں سربلند کردیجئے جو ہے اور ان مسلمانوں کو نبی فگن جمہوریہ ترکیہ پر سایہ کی زندہ مثال پر اپنی زندگیاں بسر کرنے کی توفیق دیجئے۔''

(اتاترک قوم اور جمہوریہ کا ظہور صفحہ 432)

قائداعظم نے اپنے پالیسی خطاب 11 اگست 1947ء میں مذہب اور مسلک کو ریاست اور سیاست سے علیحدہ رکھنے پر زور دیا تھا اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے اصرار اور اسلام پسند رفقاء کے دباؤ کے باوجود مذہبی امور کی وزارت قائم نہ کی۔قائداعظم وژنری لیڈر تھے ان کو پورا ادراک تھا کہ سیاست میں مذہب شامل کرنے سے انتہا پسندی اور شدت پسندی جنم لیگی۔قائداعظم کی سوچ درست ثابت ہوئی آج پورا پاکستان مذہبی جنونیت کی لپیٹ میں ہے۔قائداعظم اسلام کے امانت،صداقت شجاعت،سنہری اصولوں دیانت،مساوات،معاشی عدل پر عدل وانصاف،برداشت،بہت زور دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان حضور اکرم کے اسوہ حسنہ پر عمل کریں..... پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے لہٰذا مذہب سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔اختلاف مذہب کی اس تعبیر،تشریح اور بیانیہ پر ہے جس نے پاکستان کو لہولہان کردیا۔

(نوائے وقت لاہور 7فروری2015ء)

فکری زوال کا نتیجہ

جناب عطاء الحق قاسمی نے اپنے کالم روزن دیوار میں لکھا۔کتاب کے مطالعہ کے دوران میں نے اس عروج وزوال کی وجوہ جاننے کی کوشش کی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمارا اجتماعی زوال ہمارے فکری زوال سے شروع ہوتا ہے،جب مسلمان اسلام کی صحیح روح سے آشنا تھے،اس وقت ان کے ذہن کشادہ تھے چنانچہ عروج کے دنوں میں کوئی نظریہ ایسا نہ تھا جسے عقیدہ کی شکل دیکر اس پر بحث مباحثے کے دروازے بند کردیئے گئے ہوں چنانچہ اس دور میں ایسے ایسے مسائل پر کھلی بحثیں پڑھنے کو ملتی ہیں جن کا ذکر بھی ان دنوں ممنوع ہے،قرآن کے خلق یا مخلوق ہونے کی بحث بھی بغیر کسی فتوے کے ہوتی تھی،معتزلہ اور خوارج کے عقائد بغیر کسی فتنہ وفساد کے پرکھے جاتے تھے اس کے علاوہ بہت سے''کفریہ'عقائد ایسے تھے جن پر دونوں طرف کے علماء اپنے اپنے دلائل دیتے تھے اور اس فکری آزادی کا نتیجہ علم کے مختلف شعبوں جن میں سائنس بھی شامل ہے،نئے خیالات اور نئے نظریوں کی صورت میں سامنے آیا۔جب کہ آج صورتحال یہ ہے کہ اپنے ذہن سے سوچنے کی آزادی سلب کرلی گئی ہے،بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم اس کے سر پر اپنے نظریات کا کلبوت چڑھا دیتے ہیں،جس کے نتیجے میں اس کا سر چھوٹا اور منہ بڑا ہوجاتا ہے اور یوں عالم اسلام میں ہر طرف دولے شاہ کے چوہے نظر آتے ہیں،اس علمی

اورفکری گھٹن اور جبر کی صورت حال کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ ہیں میرا اچھوٹا بیٹا علی قاسمی ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں ہسٹری میں پی ایچ ڈی کررہا ہے،اس کا بھی سراہل قرآن پر ہے،وہ ریسرچ کے لئے ان دنوں لاہور کے کتاب خانوں کا چکر لگا رہا ہے

مگر اسے عبداللہ چکڑالوی ،احمد دین امرتسری ،غلام احمد پرویز،اسلم جیراجپوری اوراس فکر کے دوسرے مبلغین کی، کتابیں ملنے کی دشواری پیش آرہی تھی۔ایک بک سیلر مین سے اس موضوع پر کتابیں ملنے کی امید تھی مگر اس نے علی کو بہت درشت لہجے میں کہا اس کے پاس اس قسم کی کوئی کتاب نہیں ہے،علی کو یقین تھا کہ اس کے دوسرے دن دوبارہ پاس یہ کتابیں موجود ہیں چنانچہ اس کے پاس گیا تو اس نے ایک خفیہ خانے سے یہ رکھ دیں اور اپنے پہلے رویئے پر کتابیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں اور اپنے رویئے پر معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ایک مولوی صاحب ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے،اگر وہ ان کے سامنے یہ کتابیں نکالتا تو اسی دن اس کی دکان کو آگ لگادی جاتی۔کیا اس صورتحال میں مسلمان کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھا جاسکتا ہے،کیا شکنجے میں جکڑے ہوئے دماغوں کو آزاد کئے بغیر ہم یورپ کی علمی برتری کا جواب دے سکتے ہیں اور کی اس کے بغیر ہم صرف تلوار سے اہل مغرب کی غلامی اوران کے ظلم وجور کی شکار مسلم امہ کی دستگیری کر سکتے ہیں؟ان سوالوں کا جواب یقیناً ''نہیں'' میں ہے شاہ ولی اللہ..... کے ماننے والے ان جہلاء کے پیروکار بن گئے ہیں جن کے عمامے جن کے سروں سے بڑے ہیں۔عالم اسلام دولے شاہ کے چوہوں کے نرغے میں ہے،اگر ہم اپنی عظمت رفتہ کی بحالی چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے آزادی فکر کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ہماری موجودہ پستی کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔(روزنامہ جنگ لاہور 7 جنوری 2006ء)

آہ! فاروق قریشی بھی جدا ہو گئے!!

انا للہ وانا الیہ راجعون

امجد مرزا امجد

مورخہ 4 مئی 2018 بروز جمعہ کا دن پورے لندن کے لئے نہایت سوگوار تھا جب اطلاع ملی کہ والتھم فاریسٹ باروآف لندن کے سابقہ میئر ،سماجی مذہبی ادبی نامور شخصیت اور نہایت مخلص دوست مشہود الفاروق قریشی خاور جنہیں دوست فاروق قریشی کے نام سے جانتے تھے ،وپس کراس ہسپتال میں طویل بیماری کے بعد 69 سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رُخصت ہو گئے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔تو یہ اَلمناک خبر جنگل کی آگ کی طرح لندن کے علاوہ برطانیہ کے دیگر شہروں میں پھیل گئی اور ہر آنکھ کو اشکبار کر گئی۔مسجد غوثیہ (لی برج روڈ) میں بروز اتوار بعد از نماز ظہر جنازہ ہوا۔مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی بہت کم اتنا بڑا جنازہ دیکھنے میں آیا۔ہر کوئی ایک دوسرے سے گلے مل رہا تھا اور افسوس کر رہا تھا۔ہر آنکھ میں تیرتے آنسو مرحوم کی پرخلوص شخصیت اور محبت کی گواہی دے رہے تھے۔میرے لئے فاروق قریشی بھائی کی مانند تھا اور ہمارے آپس کے تعلقات بہت گہرے تھے۔وہ میری ادبی تنظیم کے صدر بھی رہے پھر سرپرست اعلی رہے انہی کی وجہ سے مجھے آٹھ سال تک فری ہال ملا رہا جہاں ہر ماہ کی پہلی اتوار کو مشاعرے منعقد ہوئے۔وہ میرے جہلم شہر کے بھی تھے اور ہمارے قریبی گھریلو تعلقات تھے۔ان کی جدائی ناقابل برداشت ہے اور جو خلا وہ اپنے دوست احباب کو دے گئے اسے پُر ہونے میں کئی سال درکار ہوں گے۔

وہ 1964 میں برطانیہ آئے شاید کچھ مدت نوکری کی ہوگی مگر پھر اپنا لیدر کا کاروبار کرتے رہے پھر کئی برس بعد والتھم سٹو میں 17 کبابش کے نام سے ہوٹل قائم کیا جو کافی مدت تک کامیابی سے چلتا رہا۔برطانیہ کی سیاسی پارٹی ''لبرل ڈیموکریٹس'' کے نہایت فعال کارکن ہیں۔2003ء میں والتھم فاریسٹ وارڈ کے کونسلر بنے اور پھر بہت ہی کم عرصہ بعد 2006ء میں والتھم فاریسٹ باروکے میئر چنے گئے۔اپنے میئر ہونے کے دوران انہوں نے کچھ

ایسے کام کئے جو تاریخ کا حصہ بنے۔ برطانیہ میں میئر کو 'ورشپ'' کہہ کر مخاطب کیا اور لکھا جاتا ہے مگر انہوں نے میئر کا عہدہ سنبھالتے ہیں اپنے نام کے ساتھ ''ورشپ'' کا لفظ ہٹوا دیا۔ کہ میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا ہے گو اس سے قبل اور اس کے بعد بھی کئی پاکستانی میئر کے عہدہ پر فائز ہوئے مگر انہوں نے اس نام نہاد ''خدائی'' کا فرق نہ سمجھا۔ اس کے بعد انہوں نے سابقہ سو سال کی تمام ریکارڈ کو مات کر کے اس فنڈ کا نیا ریکارڈ قائم کیا جو ہر میئر کو دیا جاتا ہے جو اس نے اپنے ایک سال کے دورانیہ میں کسی نہ کسی مد پر جمع کرنا ہوتا ہے۔

انہوں نے مقامی ہسپتال کے ''کارڈیالوجی یونٹ'' کے لئے فنڈ جمع کرنا تھا۔ پھر شب و روز کی محنت اور اپنے ذاتی وسائل و تعلقات کی بنا پر اتنی کثیر رقم جمع کی کہ لوگ جان کر دنگ رہ گئے۔ کیونکہ انہوں نے دل کے مریضوں کے لئے مقامی ہسپتال ''وپس کراس'' کے لئے 'ایکو کارڈیوگرام' مشین چنی تھی وہ خود ہسپتال کے لئے خریدنی بھی مشکل تھی۔ مگر اس باہمت انسان نے رات دن ایک کر کے اتنی رقم جمع کی کہ نہ صرف جرمنی سے 62 ہزار پونڈ کی مشین خریدی بلکہ جو رقم بچ گئی اس سے انہوں نے کئی ''موبائل ہارٹ مونیٹرز'' خرید کر ہسپتال کو عطیہ کیئے۔

ان میں بے پناہ ادبی لگن بھی ہے جو ان کو ورثے میں عنایت ہوئی۔ ان کے والد بزرگوار اپنے علاقے کے مشہور درویش بزرگ تھے اور پنجاب کشمیر کے مشہور و معروف صوفی عارف باللہ جناب میاں محمد بخشؒ کا کلام شائع کرتے اور فارسی کے کلام کا ترجمہ کرتے۔ انہوں نے اپنے مرشد کے کلام کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ فاروق قریشی اپنے والد بزرگ سے بہت متاثر ہیں۔ اور میاں محمد بخشؒ کے کلام کے عاشق بھی۔ 'سیف الملوک' جو پنجابی شاعری میں نہائت اعلیٰ مقام رکھتی ہے انہیں کافی حد تک ازبر ہے اور اکثر مشاعروں میں اپنی نظامت کے دوران چنے ہوئے اشعار موقع کی مناسبت سے سنا کر سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں۔

انہوں نے برسوں کی محنت اور چھان بین کے بعد حضرت میاں محمد بخشؒ کے حالات زندگی، ان کی تمام شاعری ان کے خاندان کے شجرہ اور حالات پر مشتمل ایک نہایت اعلی اور مستند کتاب لکھی ہے جس کا نام ''گلستان غازی قلندرز'' ہے یہ کتاب 2004ء میں ''غازی قلندر اکیڈیمی لندن'' کے زیر اہتمام شائع ہوئی اور پنجابی کے ادبی حلقے میں ایک ریفرنس بک کے طور پر مقبول ہوئی۔ ان کی دوسری کتاب ''ممولہ تے شہباز'' کے نام سے جو میرے ہاتھوں کمپوز ہو کر ''سویرا اکیڈیمی لندن'' سے شائع ہوئی جس میں فاروق قریشی صاحب نے اپنے چاہنے والوں کے بے حد اصرار پر ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے مشہور کلام ''شکوہ جواب شکوہ، ساقی نامہ'' اور ضرب کلیم، بانگ درا سے چند مشہور نظمیں اور غزلیں پنجابی میں منظوم ترجمہ کی ہیں۔

یہ انمول کام برطانیہ میں آج تک کسی کے حصے میں نہیں آیا بلکہ پاکستان میں بھی کلامِ اقبالؒ کے پنجابی منظوم تراجم میں یہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ فاروق قریشی صاحب کا یہ کام پنجابی زبان میں ایک اَنمٹ یادگار اور سنگ میل ثابت ہوگا۔ وہ اپنی پارٹی ''لبرل ڈیموکریٹس'' کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کا الیکشن بھی لڑ چکے ہیں۔ اس سال وہ پھر الیکشن کے لئے نامزد ہوئے مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی ورنہ وہ اس قدر مقبول تھے کہ لازمی جیت جاتے !! ۔ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس کے اونچے مقامات عطا فرمائے، آمین۔ بہت سی میٹھی یادیں وابستہ ہیں ان کے ساتھ۔ بے شمار ادبی و سماجی اور مذہبی خدمات کیں لاکھوں دلوں پہ راج کیا۔ ایسے لوگ دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ان کے اچھے کام ان کی اچھی یادیں انہیں زندہ رکھتی ہیں خدا مغفرت کرے دلوں پہ راج کرنے والا انسان تھا۔۔!!

***

قندیل ادب انٹرنیشنل کے اشتہار دینے کے ریٹ

Space	One Time	Quartly	6Month
Title Page	100 £	300 £	600 £
Back Page	80 £	240 £	480 £
Full Page	65 £	195 £	390 £
Half Page	40 £	120 £	240 £
Quarter Page	25 £	75 £	150 £

http://qandeel-e-adab.com

ranarazzaq52@gmail.com

Contact:

(M) 0044 7886304637

رانا عبدالرزاق خان لندن

امجد مرزا کے ساتھ قہقہے

آپریشن :ایک طویل آپریشن کے بعد مریض نے آنکھیں کھولیں اور بولا۔'' ڈاکٹر صاحب ! میرا آپریشن کامیاب ہوا نا۔'' مریض کو جواب ملا ۔ ''افسوس میں ڈاکٹر نہیں ہوں دوزخ کا داروغہ ہوں۔'' آگے سے جواب ملا۔

خوشی: نئی دلہن کا پکایا ہوا کھانا شوہر نے پہلی بار کھایا جس میں مرچ بہت زیادہ تھی پھر بھی وہ دلہن کو خوشی کرنا چاہتا تھا۔شوہر۔'' بہت اچھا کھانا پکایا ہے۔'' بیوی ۔'' تو آپ رو کیوں رہے ہیں۔'' شوہر۔'' خوشی سے!۔'' بیوی۔'' پھر اور دوں۔''

شوہر۔''نہیں! میں اس سے زیادہ خوشی برداشت نہیں کر پاؤں گا۔''

بہتر دنیا؛ دنیا سے جانے والے لوگ کہاں چلے جاتے ہیں بہتر دنیا میں ۔ اسی لئے ایک صاحب نے اپنے دوست کو بیوی کی موت کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا۔'' وہ اس جہاں سے گذر کر ایک بہتر دنیا میں چلی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی ایک بہتر دنیا مل گئی ہے۔''

اعتراف :ایک صاحب سے اس کے دوست نے پوچھا۔'' کل رات جب تم نشے میں دیر سے گھر پہنچے تو تمہاری بیوی نے تم سے کیا کہا؟'' دوست نے جواب دیا۔'' کچھ بھی تو نہیں ۔ یہ آگے کے دو دانت تو میں ویسے بھی نکلوانے والا تھا۔''

انکساری: وکیل استغاثہ بڑے جوش وخروش سے کہہ رہا تھا۔''جناب عالی ! یہ ایک عادی چور ہے۔رات نہایت دیدہ دلیری سے بنگلہ میں داخل ہوا اور بڑی آسانی کے ساتھ تجوری کھول لی۔'' کٹہرے میں کھڑے چور نے شرماتے ہوئے کہا۔''میں کس قابل ہوں ،حضور اتنی تعریف کر کے شرمندہ نہ کیجئے۔''

پھول: بیوی نے شوہر سے کہا۔''تمہیں تو مجھ سے ذرا محبت نہیں ہے۔وہ رضیہ کا خاوند گھر آتا ہے تو اپنی بیوی کو پھول پھول کہہ کر صدقے واری ہوتا ہے۔'' شوہر بولا'' اسے اپنی آنکھوں کا چیک اپ کرانا چاہیے جس کو ہتھنی کی جگہ پھول دکھائی دیتا ہے۔''

قیدی کے ملاقاتی: جیلر ایک قیدی سے۔'' تمہارے رشتہ داروں نے کبھی تمہیں خط نہیں لکھا ؟'' قیدی ۔'' اس کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی ۔''جیلر۔'' وہ کیوں؟'' قیدی نے مسکرا کر جواب دیا۔'' آپ کی دعا سے وہ سب یہیں موجود ہیں۔''

اخبارات ورسائل کے فکر انگیز اقتباسات

شذرات مکرم شیخ نسیم صاحب

نفاذ اسلام- جناب انور صاحب مذکورہ بالا عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

اگر''نفاذ اسلام'' کے بعد ہمارے عوام کی زندگی کا معیار''کفار'' سے بہتر نہیں ہوتا تو پھر شاید ہمارا تصور اسلام اُدھورا اور خام ہے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ بحیثیت حکمران رعایا کے حقوق تو ادا نہ کریں اور ان سے فرائض کی انجام دہی کا تقاضا کریں؟ خود تو لینڈ کروزر پر پھریں اور عوام کے پاس بس پر بیٹھنے کی سکت بھی نہ ہو۔ خود تو قصر ہائے اقتدار میں متمکن ہوں ،مگر غریب مسلم عوام اور اقلیتوں کے پاس رہنے کو جھونپڑا بھی میسر نہ ہو،تو کیا ہم اسلام ایسے دین رحمت کو صرف سزاؤں کا مجموعہ تصور کرتے ہیں؟ کیا جج کو قاضی کہہ دینے سے عدالتی نظام کی بدعنوانی ختم ہو جائیگی؟ عوام کو انصاف مل جائے گا؟ سب سے پہلے عوام کے حقوق پورے کیجئے۔ایک بھوکے کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ چوری کرنے سے پہلے چیف منسٹر ہاؤس کے داروغہ مطبخ سے ہفت خوان نعمت طلب کر سکے تو پھر چوری کے جرم میں اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیجئے۔اگر عورتوں کے سائن بورڈ توڑنے ،سرکسوں کو آگ لگانے اور عوام کی ثقافت کو اسلام کا دشمن ڈکلیئر کرنے سے مہنگائی کم ہو سکتی ہے تو فوراً بسم اللہ کیجئے۔اگر زندگی کی ہر سہولت سے محروم عوام کی پیٹھ پر درے برسانے سے قومی پیداوار بڑھ سکتی ہے تو پھر اس عمل پر کسی کو کیا اعتراض؟ اگر سڑکوں پر صرف یا رحیم اور یا جبار لکھ دینے سے دین الٰہی کے سارے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں تو پھر دیر نہ کیجئے۔اگر یوں ممکن نہیں تو پھر لمحہ بھر کو سوچئے کہ کیا ہم کہیں کسی اور سمت میں تو نہیں چل نکلے؟.....تاریخ اس بات پر متفق ہے کہ جزا و سزا کا نظام خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں نافذ ہوا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اس کا رنیک کا آغاز اپنی ذات سے کیا ۔ بندے رہے ایک طرف ،انہوں نے اپنی فرماں روائی میں ایک کتے کے بھوکے رہ جانے پر بھی اللہ کے سامنے جوابدہی سے خوف کھایا۔یہ واقعہ بھی انہی سے منسوب ہے کہ جب وہ مصر کے سرکاری دورے پر نکلے تو ان کے ساتھ کوئی محافظ دستہ تھا اور نہ کوئی شاہانہ جاہ وجلال ،صرف ایک اونٹ تھا اور ایک عدد غلام ،وہ سارا راستہ غلام کے ساتھ باری باری اونٹ پر سوار ہوتے رہے،تا کہ نہ غلام کی حق تلفی ہو اور نہ بے زبان جانور کو دو آدمیوں کا بوجھ بیک وقت اٹھانا پڑے۔نصابی کتب میں بچوں کو یہی پڑھایا جاتا ہے کہ جب وہ اپنی منزل

پر پہنچے تب ان کا غلام اپنی باری کے مطابق اونٹ پر سوار تھا اور حضرت عمرؓ اس کی نکیل تھامے اس کے آگے چل رہے تھے۔اور یہ بات بھی کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے دور میں پہلوانوں کی کشتیوں ،شعراء کے مشاعروں ،گھڑسواری اور شتر سواری کے مقابلوں ،شادی بیاہ یا موت مرگ کے رواجوں پر قدغن لگائی گئی ہو۔اسلام نے عام آدمی کی ثقافت سے کچھ تعرض نہیں کیا۔اس نے صرف اخلاقی نقائص کو دور کر دیا۔کہیں جلاؤ گھیراؤ نہیں کیا،کہیں جبر کا ڈنڈا چلایا اور نہ انسان کو ماضی میں واپس دھکیلنے کی سعی کی۔

(روزنامہ ''خبریں'' لاہور 9 جون 2003ء)

اسباب زوال

جناب رفیق ڈوگر صاحب ایک خطیب کے وعظ پر جس میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کے حوالے سے غربت مٹانے کا نسخہ بیان فرمایا تھا۔تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کیا یہ نسخہ ہمارے حکمرانوں ،رہنماؤں اور مذہبی جماعتوں کے قائدین کو بھی معلوم ہے؟ایک نوجوان نے چند روز پہلے مجھے فوڈ سٹریٹ کا ایک واقعہ بتایا ایک مذہبی جماعت کے ایک بہت بڑے قائد اسلام اپنے باڈی گارڈوں کے ساتھ فوڈ سٹریٹ کھانا کھانے گئے تو گاڑی تو ظاہر ہے ان کے ہم مرتبہ ہی تھی پوری فوڈ سٹریٹ کا چکر لگایا اور ایک رحمانی شاپ پسند فرما کر وہاں مٹی کے پیالے میں پانی پینے کی سنت پر عمل کیا میں نے تو آج تک فوڈ سٹریٹ نہیں دیکھی اخباروں میں اس ''عیاشی'' کے بارے میں ہی پڑھا سنا ہے

۔سوچتا ہوں علمائے کرام کو گارڈوں اور کئی کئی لاکھ کی گاڑیوں کی کیوں ضرورت ہوتی ہے؟ان کے اخراجات وہ کہاں سے ادا کرتے ہیں ؟کیا اس بارے میں کبھی کسی نے ان سے پوچھا ہے؟ان کے ٹیکس کے گوشوارے کسی نے کبھی دیکھے ہیں؟جس دین کو ہم مانتے ہیں اللہ کے جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے نظام کے نفاذ کو ہم سب مصائب سے نجات کا راستہ بتاتے ہیں کیا اس میں اس کی اجازت ہے؟اگر نہیں تو پھر ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟.....شاہ ولی اللہ کا ایک فرمان پڑھ کر میں کئی روز پریشان رہا۔برصغیر میں مسلمانوں اور ان کی حکومت کے زوال کے اسباب میں .....شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''علماء کرام بیت المال سے وظائف لینا اپنا حق سمجھنے لگے ہیں اور ''ویلیاں کھاتے ہیں'' بیت المال پر پلنے والے کسی پیداواری عمل میں حصہ نہیں لیتے جس سے امت کو نقصان پہنچتا ہے حکمران جرنیل امیر وزیر نمود و نمائش کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔بڑے بڑے محلوں میں رہتے ہیں۔ہاتھیوں پر سواری کرتے ہیں شادیوں پر بہت خرچ کرتے ہیں اور یہ سارے اخراجات پورے کرنے کے لئے غریبوں اور کاشتکاروں پر ٹیکس بڑھاتے جاتے ہیں جس وجہ سے غریب اور کاشتکار مسلمان بھی ان کے ہمدرد نہیں رہے یہ حکمران طبقے اپنی ''عیاشیوں'' کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ملی مفاد پر بھی سودے بازی کر لیتے ہیں۔شاہ صاحب نے اڑھائی سو سال پہلے جو اسباب زوال بتائے تھے کیا آج ہم میں وہ موجود نہیں؟.....کونسا طبقہ اس مرض سے پاک صاف ہے۔دنیا کی اقتصادیات مارکیٹ اکانومی کی گرفت میں ہیں تو ہمارا اسلام اور سیاست بھی مارکیٹ اسلام اور نظام بن گئے ہیں''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور 9 جون 2003ء)

فرقہ پرستی

جناب ہارون الرشید صاحب مذکورہ بالا عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ہم اسی وقت توانا اور طاقتور تھے جب روادار تھے مغرب میں مسیحی فرقے ایک دوسرے کا قتل عام کرتے ،مخالفوں کو زندہ جلاتے اور حریفوں کی آبادیاں تہہ تیغ کرتے تھے مگر مسلمان معاشروں میں عیسائی، یہودی ،قبطی اور ہندو امن اور تحفظ میں زندگی بسر کرتے تھے۔اب مغرب ہم سے کہیں زیادہ روادار ہے۔کم از کم اپنی اقوام اور آبادیوں کے لئے۔ادھر ہم خود شکنی پر تلے ہیں اور ہمارے اندر ایسے گروہ پیدا ہو گئے جو دوسرے فرقوں سے متعلق لوگوں کے قتل کو جنت کا پروانہ سمجھتے ہیں...اسلام کو صرف مغرب سے مرعوب اور تقلید میں اندھے سیکولرازم سے خطرہ نہیں،صدی اور فرقہ پرست مولوی بھی اتنا ہی خطرناک ہے گیلپ کا ایک سروے بتاتا ہے کہ خطیبوں کا سب بڑا موضوع اسلامی تاریخ ہے۔شاید اس لئے کہ وہ اس میں عظمت کی جھلک دیکھتے ہیں۔لیکن المیہ تو یہ ہے کہ اسلام کی پہلی چند صدیوں میں عربوں کے سوا ہمارے علماء اور صوفیا نے تاریخ میں کم ہی جی لگایا حالانکہ قرآن ہمیں اس کے شغف کی طرف مائل کرتا ہے...''راستے کے چراغ تو علماء ہیں مگر افسوس ان پر شیطان سوار ہو چکا ہے۔خود پسندی، جاہ پرستی اور تقلید کو وہ ان کا مرض کہتا ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' لاہور 9 جولائی 2003ء)

Concept 2Print
DIGITAL
LITHO
A Complete Design & Print Service
CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH
• Business Cards • Letterheads • Compliment Slips
• Folders • NCR Pads • Brochures
• Booklets • Calendars • Posters
• Books • Flyers
• Pull up Banners • Wedding Cards
• Greeting Cards • Invitation Cards
t:0203 603 7582
e:info@concept2print.co.uk
Concept2Print Ltd.
106 High Street • Colliers Wood • London • SW19 2BT
www.concept2print.co.uk

SKY TRAVEL WORLD

Munir Ahmad
www.skytravelworld.co.uk
munir@skytravelworld.co.uk
specialists for worldwide Destinations
Tel: 0207 112 8090
Fax: 08458389985
33 London Rd Tooting SW17 9jr
skytravelworld@gmail.com
Special offers Available

We offer specialised advice assistance in the following areas:
Immigration Nationality and Asylum, including
* Human rights applications
* Domestic worker applications
* Spouse / Marriage visa applications
* European Union applications including family member applications
* Long Residence applications
* Applications for dependents, parents and relatives of settled persons
* Dependents of the Points Based System
*Business immigration including Tier-1,Tier-2,Tier-4 and Tier-5 categories
* Judicial Review claims
Family law matters including divorce, child arrangement orders, financial settlements and adoption.
Residential and commercial conveyancing including lease extensions.
Employment law matters.
Civil litigation.
Corporate litigation and Partnership disputes.
Debt and consumer disputes.
Landlord and Tenant matters.
Probate, Wills Trust including Islamic Wills.
Appeals against PCO decisions
Lumine Solicitors
G14,1Burwood Place, London, W2 2UT
Telephone: 02039502246, Fax: 02030062508
www.luminelaw.co.uk
email: info@luminelaw.co.uk
Contact:
Abdul Wadood Khan
Rohat Kumar or Vandana Kumar
Lumine Solicitors and Lumine Law are the trading names of Lumine Law Limited, a company registered in England Wales (company registration no: 10996865 (Registered office: G14,1Burwood Place, London, W2 2UT. This firm is authorised and regulated by the Solicitors Regulation Authority (SRA No. 6452650)

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

PASS PLUS REGISTERED INSTRUCTOR

LATIF
Driving Center

Driving Standards Agency Approved Driving Instructor

WANT TO PASS FIRST TIME
LET US ASSIST YOU

AUTOMATIC & MANUAL

WE TEACH ACCORDING TO THE NEW RULES

FEMALE INSTRUCTORS

INTENSIVE COURSE

SPECIAL OFFER 10 Hours £250

FREE
TEST BOOKING

Bashir Tahir - 079 0380 2266
b.tahir@hotmail.co.uk

property renting
made
EASY & SIMPLE

N2 LETTINGS
ESTATE AGENTS

020 34170607 www.n2lettings.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
☎ +44 (20) 3609 4712
✆ +44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
☎ +92 (47) 6212515
✆ +92 (0) 307 465 7777

Earlsfield Properties

Letting & Estate Agents,
Surveyors, Valuers
(Group of Companies)

We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3&5 years.

Free Management Service
Guaranteed Vacant Possession.

Member National Landlord Association
Member Deposit Protection Schemes

Please contact: Naveed Sarwar (MA European Real Estate)

175 Merton Road, London SW18 5EF Tel: 02082656000 02088770762 Fax: 02088749754
Email: earlsfieldproperties1@hotmail.com Web: www.earlsfieldproperties.com